سلسلۂ اشاعتِ قرآن حیدرآباد دکن

ماہ شوال المکرم ۱۳۴۹ ہجری

جلد (۵) نمبر (۱)

مجموعہ مکتوباتِ قرآنی

(مرتبہ)

ابو محمد مصلح کان اللہ لہ

(دفتر)

قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

چندہ

سالانہ دس روپے۔ ماہوار پورے سٹ کی قیمت ایک روپیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مجموعہ مضامین قرآن

کائنات کی ہر شے انسان کے لئے ہے تو انسان کو بھی کسی کے لئے ہونا چاہیے

میں نے آسمان سے پوچھا کہ اے محیط عالم شے بتا کہ تیرا وجود کس کیلئے ہے اسنے جھک کر مجھ سے کہا کہ تو نہیں کہ اپنے پیدا کرنے والے کی رفعت شان کی گواہی دیتے ہوئے تیرے فائدے کیلئے اور صرف تیرے فائدے کیلئے۔

آفتاب عالم طلوع ہوا تو میں نے دریافت کیا کہ اے ذرات عالم کو جگمگا دینے والے قدرت کے چراغ تجھ کو کس نے بنایا اور تیرا کیا مقصد ہے۔ اس نے کہا اپنے پیدا کرنے والے کے در پر سراپا جبین ہو کر سجدہ بجا لانے کے بعد اے خاکی نژاد انسان تیرے اور صرف تیرے لئے۔

چاند کی نورانی شمع روشن ہوئی اور تاروں کی جھلملاہٹ میں رات کی زینت انجمن بنی تو میں نے پوچھا کہ اے ٹھنڈی روشنی والی چیز تو کس کیلئے ہے۔ اس نے بھی یہی جواب دیا کہ اے آدم زاد میں اور میری چھوٹی بڑی سب سہیلیاں تیری اور صرف تیری خدمت کیلئے ہیں۔

اسی طرح میں نے زمین سے دریافت کیا۔ پہاڑوں سے معلوم کیا۔ دریاؤں سے پوچھا۔ جمادات، نباتات، آب و آتش، خاک و باد۔ غرض کائنات کی ہر مخلوق سے جدا جدا سوال کیا مگر جواب سب کا ایک ہی تھا کہ معرفت الٰہی کا ذریعہ بننے کیلئے اور نوع انسان کی فائدہ رسانی کیلئے

مگر یہی سوال جب انسان سے کیا گیا کہ بتاؤ اگر ہم نہ ہوں تو کیا تم بھی نہ ہوگے تو انہوں نے سر ہلایا اور کہا کہ نہیں ایسا نہیں بلکہ تم ہو یا نہ ہو ہمارا ہونا ضروری ہے۔ اس سوال کا مطلب تھا انسان کسی کیلئے نہیں بلکہ انسان اپنے لئے ہے۔

اس کے بعد تسکین قلب اور سچی تشریح قرآن مجید کی تلاوت میں مشغول ہو گیا تو اسکی ہر آیت نے بتایا کہ کائنات کی ہر شے انسان کیلئے ہے تو انسان کو بھی کسی کے لئے ہونا چاہئے اور وہ خدا کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔

۲

مسلمان فرقہ پسند ہو ہی نہیں سکتا

قرآن مجید میں ہے اِعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا سب کے سب ملکر اللہ کی رسی قرآن مجید کو تھام لو اور فرقہ فرقہ نہ ہو۔ یہ ایک حکم ہے جس کا ماننا ہر مسلمان پر فرض ہے چاہے وہ شیعہ ہو یا سُنّی اہلحدیث ہو یا [redacted] اگر ان میں کا ہر شخص اس بات پر آمادہ ہو جائے کہ وہ اس آیت شریف پر عمل کریگا تو سب سے پہلے وہ آپس کی فرقہ بندی سے بیزار ہوگا۔ اسکو نظر آئیگا مسلمانوں کا ہر فرقہ اس آیت کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور اس کو پسند بھی کر رہا ہے اسی لئے اسپر جما بیٹھا ہے۔ اس سے اس آیت شریف کے شیدائی کو روحانی تکلیف ہوگی اور وہ کوشش کریگا کہ ہر فرقہ ایک ہو جائے! اور وہ کوئی جدید فرقہ تو کیا بنائیگا بلکہ موجودہ فرقوں کو ایک کرنیکی ایسی فکر کریگا جس سے حقیقت میں فرقہ بندی کا عنصر باقی نہ رہے۔

پھر مسلمان کیونکر متحد ہو سکتے ہیں

قرآن مجید جب فرقہ بندی کو پسند نہیں کرتا بلکہ ایک ہونے کو کہتا ہے تو صاف ظاہر ہے کہ فرقہ بندی گناہ ہے۔ اور فرقہ بندی کا الزام فرقہ فرقہ ہو جانے والوں اور اس پر جمے بیٹھے رہنے والوں پر ہے! اگر یہ حقیقت میں ایک ہونے کے خواہشمند ہوں تو پہلے اپنے اپنے گناہ سے توبہ کریں اور ایک ہو جانے کیلئے آمادہ ہو جائیں۔ ان کے ایک ہونے کے لئے ایک ذہنیت ایک مطلب کیلئے ایک جد وجہد کیساتھ قرآن مجید کو تھامنا پڑیگا۔ پھر یہ صبح ان کی مبارک صبح ہوگی اور فرشتۂ غیب صدا سنائے گا۔ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖ اِخْوَانًا

یورپ اپنی تہذیب سے آپ بیزار ہو جائیگا

قرآن مجید میں نافرمان قوموں کا اکثر مقامات پر ذکر ہے۔ اور اُن کے تہذیب و تمدن کا بھی مختصر حال بیان کیا گیا ہے۔ مگر جب انھوں نے دنیا کی زندگی میں منہمک ہو کر آخرت کی پرواہ نہیں کی اور اُن کا بد حال حد سے زیادہ تجاوز کر گیا تو پھر وہ وقت آگیا کہ یہ تباہ و برباد کر دیئے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور ان کی ساری تہذیب و ترقی بیکار گئی اور بعض قوموں پر تو عذاب الٰہی کا نزول اسی صورتیں ہوا جن پر ان کو فخر تھا اور جو انکی حاصل زندگی تھیں۔

قرآن مجید میں بار بار ان کے تہذیب و تمدن کے عبرتناک کھنڈرات کو دیکھکر عبرت حاصل کرنیکی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ فراعنہ مصر۔ بابل و نینوا۔ دہلی کی برباد شدہ عمارتیں۔ ایلورا۔ اجنٹہ کی نقاشیاں بھی ممکن ہے کہ غفلت شعار قوم اور ان کے افراد کیلئے عبرت کیلئے نہیں بلکہ نخوت کیلئے ہوں۔ مگر حقیقت تو یہی ہے کہ آثار قدیمہ کی ہر ایک شئے آثار جدید کیلئے سبق آموز ہیں۔

یورپ امریکہ کی تہذیب و ترقی کا آج بازار گرم ہے اور حقیقت سے بے خبر مسلمان بھی اس پہ مٹے ہوئے ہیں اس کی تعریف میں اپنی زبان خشک کر رہے ہیں۔ کاش وہ قرآن مجید پڑھتے اور معلوم کرتے کہ اس سے پہلے بھی تہذیب و تمدن والی قومیں گزری ہیں اور دلیپا و قات ان کا تہذیب و تمدن ہی ان کیلئے عذاب ثابت ہوا ہے وحاق بھم ما کانوا بہ یستہزءون

پس یا تو یورپ اپنی تہذیب سے آپ بیزار ہو جائیگا اور ایک دن آئیگا کہ مادیت پرستی کی جگہ روحانیت کا دور دورہ ہوگا اور نہیں تو عذاب الٰہی سے مٹ جانیوالی قوموں میں ایک اور کا اضافہ ہوگا۔

ایک طرف ہو جاو

قرآن مجید میں ہے یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً۔ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری میں پوری طور پر داخل ہو جاؤ۔ اور تُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضٍ وَّ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ کی مصداق نہ بنو۔ آج مسلمان ایک طرف لعنة الله على الكذبين کی تلاوت کرتے ہیں دوسری طرف جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ جھوٹی گواہی بھی دیتے ہیں اور جھوٹے مقدمات کی پیروی بھی کرتے ہیں۔ ایک طرف سود کی برائی بھی پڑھتے ہیں۔ دوسری طرف سود کا کاروبار بھی کرتے ہیں۔ ایک طرف حرام حلال سمیٹنے غیبت کرنے وغیرہ کی مذمت بھی پڑھتے ہیں دوسری طرف دنیاوی مال و جاہ حاصل کرنے کیلئے اسکی خلاف ورزی بھی کرتے ہیں۔ ابھی نماز پڑھی ہے اور ابھی فحش اور منکر کے مرتکب ہوتے ہیں حالانکہ نماز کی صفت بیان کی گئی ہے اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ بیشک نماز فحش اور منکر سے روک دیتی ہے۔

قرآن مجید مسلمانوں کے سراپا علم و عمل کے واسطے ہے اسکا حکم اسواسطے ہے کہ اسکو مانا جائے اسکے قوانین اسلئے ہیں کہ وہ نفاذ پذیر ہوں اسکی حرام کی ہوئی کو حرام سمجھا جائے اسکے حلال کو حلال مانا جائے اسکا اوامر بجالائے جائیں اور نواہی سے پرہیز کیا جائے مگر حال یہ ہے کہ ایک شخص اپنے کو آدمی بھی کہتا ہے اور آدمیت سے بعید فعال ذیلہ میں ملوث بھی ہورہا ہے ایک طرف مسلمان بھی کہتا ہے اور کفر و شرک میں مبتلا غیر قوموں کے عادات و خصائل کو پسند بھی کر رہا ہے ایک طرف قرآن مجید کی عظمت کا بھی قائل ہے اور دوسری طرف گن گنگر اس کے ہر حکم کو توڑ رہا ہے اسلئے میں مشورہ دونگا قرآنی تحریک کے ماننے والی استعمال کریں دوسری طرف ہوجائیں مثل مشہور ہے کہ ایک تعالیٰ نے طوطا پال رکھا تھا جب کوئی اسکی دوکان پر آتا اور پوچھتا فلاں چیز پاس ہے تو وہ ایک ایک کا نام لیتا اور اخیر میں کہتا کہ ورنا تو بھی ہی ہے۔ یہی حال آج مسلمانوں کا ہے کہ وہ عیسائی بھی ہیں یہودی بھی ہیں ہندو بھی ہیں پھر مسلمان بھی ہیں۔ سبحان اللہ۔

ایک عام ذہنی انقلاب کی ضرورت

مسلمانوں کی ذہنیت یا تو بگڑ گئی ہے یا منجمد ہو کر رہ گئی ہے کسی ایک خیال پر متحد نہیں ہیں نہ تو یہ ایک چیز سوچتے ہیں اور نہ ایک کام کرنے کیلئے تیار ہیں۔ نہ انکا ایک راستہ ہے نہ ایک منزل نہ ایک مقصود مسلمانوں کیلئے مسلمانوں کے نام پر اور اسلام کے نام پر جو کچھ ہو رہا ہے وہ صد ابصحرا سے کم نہیں اور بعض اوقات تو یہ بجائے فائدے کے سراسر نقصان دہ ثابت ہوتے ہیں اصلی قرآنی تحریک کے حامیوں کو چاہیئے کہ وہ اپنے دامن کو بچاتے اپنی قوتوں کو سمیٹتے ہوئے صرف ایک بات کہی جائیں اور فقط ایک کام کئے جائیں۔ درحقیقت ایک عام ذہنی انقلاب کی ضرورت ہے اور مسلمانوں کو پھر سے مسلمان ہونے کیلئے کہنے کی حاجت ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ یاایُّھَا الَّذِینَ اٰمَنُوا اٰمِنُوا اے وہ لوگ جو اپنے کو ایماندار کہتے ہو ایمان لے آؤ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا قرآن کی حقانیت پر ایمان آج باقی نہیں رہا ہے اور اسلام کی صداقت سے انکا دل بھرا ہوا ہے پس ایسی حالت میں ایک زبردست جدوجہد کی ضرورت ہے جو ہوا کا رُخ ادھر سے ادھر پھیر دے۔

سب کچھ کیا! یہ بھی کر کے دیکھ لو؟

زیادہ نہیں سر سید مرحوم کے زمانہ سے لیا جائے جب بھی ہزاروں قسم کی جدوجہد مسلمانوں کے ترقی پذیر ہونے کے لئے کی گئیں معلوم نہیں کتنی انجمنیں قائم ہوئیں اور مٹ گئیں معلوم نہیں کس قدر تجویزیں پاس ہوئیں اور کیسے کیسے ذہنی غذائیں گئیں اور معلوم نہیں کس کس تعداد میں تحریکیں شروع ہوئیں اور ختم ہو گئیں۔

قوم کو امید دلائی گئی تھی کہ علیگڈھ کالج ان کے مرض کا علاج ہے۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد

پڑا کہ نہ یہ کام ندوۃ العلما سے نکلیگا۔ مگر ان میں سے ایک نے حکومت کی کرسی کو سنبھالا تو دوسرے نے اسکول و کالج کی پروفیسری اختیار کرلی یا اخبار و رسالے اور تالیف و تصنیف کو سب کچھ سمجھا الغرض بی۔ اے ام۔ اے ہونے سے اسلام کو ترقی ہوئی اور نہ عربی دانی نے مسلمانوں کی مصیبت کا خاتمہ کیا۔

اور کون نہیں جانتا کہ کانگریس درد کی دوا ہے نہ مسلم لیگ نہ ایجوکیشنل کانفرنس کچھ ہوسکتا ہے نہ جمعیتہ العلما ہی پھر سوچنے کی چیز یہ ہے کہ آخر وہ کونسی چیز کھو گئی ہے جس کے بغیر مسلمان روز بروز اسلام سے دور ہوتے جارہے ہیں اور وہ کونسا مشنری کا پرزہ بگڑ گیا ہے جس سے گاڑی آگے نہیں بڑھتی۔

میری رائے ہے کہ مسلمان ایک مرتبہ مجموعی طور پر قرآن مجید کے علم و عمل کی ٹھان لیں اور پھر دیکھیں کہ کیا ہوتا ہے آزمائش کے طور پر ہی سہی جیسے سب کچھ کیا یہ بھی کرکے دیکھ لیں۔

نماز

اے آقا! آپ کے عظیم الشان دربار میں باریابی کی لائق کب تھا یہ آپ کی مہربانی ہے کہ آپ نے مجکو ایک نہیں پانچ مرتبہ حاضری کی اجازت دے رکھی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر میں حاضر نہ ہوں تو یہ میری بدنصیبی ہے۔ اس لئے آپ نے حکم دیدیا کہ ضرور حاضر ہوا کروں ورنہ آپ خفا ہونگے۔ یہ بھی ہمارے اوپر آپ کا پیار ہے اور یہ حکم اور خفگی بھی آپ کی ہماری حال پر مہربانی کے لئے ہے۔

اے میرے آقا! آپ اسی لائق ہیں کہ میں آپ کے پاس بار بار آؤں آپ کی طرف متوجہ ہو جاؤں۔ ہمارا جسم اور ہمارے حواس خمسہ اور ہماری روح آپ کی رس بھری یاد میں بھونرا بنکر لپٹ جائے۔

مجھے ہاتھ باندھنا نہیں آتا مجھے سر جھکانا نہیں آتا مجھے آپ کے سامنے کھڑا ہونا اور

بیٹھنا بھی نہیں آتا اور آہ! کہ مجھے آپکے قدموں پر اپنا سر نیاز جھکانا و باطن نہیں آتا پھر حبیباں آقا! اے میرے آقا!! آپکو معلوم تھا کہ میں آپکے دربار کے شایان شان کوئی تحفہ لانیکے لائق نہیں اور ہاں یہ بھی کہ آپ سے بات کرنیکے لائق الفاظ کہاں سے لاتا اس لئے آپ نے خود ہی اپنی طرف سے ایک درخواست ہمارے لئے تیار فرمادی۔ یہ سب آپ کی مہربانی ہے مگر میں اس مہربانی کے لائق کہاں۔

اے میرے مہربان آقا! مجھے آپکے دربار میں حاضر ہونا بھی نہیں آتا اور درخواست پیش کرنا بھی نہیں آتا اس لئے میری عرض ہے کہ ان دونوں باتوں کی توفیق بھی آپ ہی عطا فرمائیے

جو کچھ ہو رہا ہے آخر اس کا نتیجہ کیا ہے

چڑیا گھونسلے بھی بناتی ہے تو اس غرض سے کہ وہ اس کے رہنے کے کام آئیگا۔ اسی طرح جو شخص بھی جو کام کرتا ہے اسکے نتیجہ اور فائدے کو پہلے سے سوچ لیتا ہے یہاں تک کہ ہر قوم کا ایک مطمع نظر ہوتا ہے اور وہ اُسی کے حصول کیلئے ہاتھ پاؤں مارتی ہے۔

یورپ کو ہی لیجیئے اس وقت اس کا شاہد مقصود دنیا کا عیش و آرام ہے اس کیلئے اس نے تجارت اور حکمرانی کو ضروری سمجھا ہوا ہے چنانچہ یہ دونوں چیزیں اس کے خمیر میں داخل ہو گئی ہیں اور یہ جو کچھ ترقی وغیرہ کا نام لیا جاتا ہے اسی کے کرشمے ہیں۔ اس کے حصول کیلئے وہ ہر جائز و ناجائز طریقے کو استعمال کرتی ہے۔ یہاں تک کہ ایک بھیڑیا دوسرے پر غراتا اور حملہ آور ہونیسے بھی نہیں چوکتا۔ یہ جنگ عظیم کی خونین داستان بھی اسی تجارت اسی حکمرانی اور اسی نفس پرستی کے خاطر مرتب ہوئی۔

بہر حال کہنا یہ ہے کہ قومیں جو کچھ کرتی ہیں اس کے نتیجہ کی بھی خواہاں ہوتی ہیں اور

ایک دو مرتبہ اس میں ناکامی بھی ہو تو کوئی مضائقہ نہیں پھر سنبھل جاتی ہیں مگر برعکس اس کے مسلمان ہیں کہ اسلام اور مسلمانوں کے نام پر جو کچھ کرتے ہیں اس کے نتیجہ سے قطعاً بےخبر ہیں فرصت کی گھڑی میں کاش یہ سوچیں کہ جو کچھ ہو رہا ہے آخر اس کا نتیجہ کیا ہے؟

لیکن جس کو خدا نے توفیق دی ہے وہ بہت پہلے سے جانتا ہے کہ یہ سب نتیجہ باتیں ہیں اور آئندہ بھی بے نتیجہ رہیں گی۔ اسوقت تک اس کا سلسلہ لامتناہی ختم نہ ہو گا جب تک اللہ کے بتائے ہوئے طریقے پر قرآن کی روشنی میں یہ نہیں چلیں گی۔

مسلمان غلامی کیلئے نہیں

ارشاد باری ہے إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ ۔ بیشک اللہ کے نزدیک اسلام ہی دین ہے جس کے بعد یہ بات آسان تر ہے کہ مسلمانوں کو خاص اللہ والا سمجھا جائے۔ اسی لئے فرمایا گیا کہ عزت تو اللہ اللہ کے رسول اور مومن کے ہی لئے ہے۔ اسی دین اور اسی دین والوں کے حق میں ہے۔ ودین الحق لیظہرہ علی الدین کلہ۔ اور دین حق جو جمیع ادیان پر غالب رہنے کیلئے ہے۔ جمیع ادیان پر جو دین غالب ہو گا اس کا یہ مطلب ہوا کہ جمیع دین والوں پر اُس دین والے غالب رہیں گے۔ گویا مسلمانوں کو دنیا کے ہر دین والے پر غالب ہونا چاہیے اور یہ ذرا سوچنے سے اس کی صداقت پر ایمان لانا پڑتا ہے کہ حقیقت میں ایسا ہی ہونا بھی چاہیئے۔ اب حیرت کی بات یہ ہے کہ مسلمان مغلوب ہوئے اور اپنی مغلوبیت پر مطمئن ہو کر بیٹھے رہیں اور اس سے بھی زیادہ حیرت کی بات یہ ہے کہ غلبہ والی قوم کو اپنا دوست اور اپنا محسن تصور کریں ع آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین۔

بہر حال اللہ کی کتاب اپنی متبعین کو ہر قسم کی روحانی اور جسمانی آزادی دینے

کیلئے ہے دنیا میں ہر قوم پر غلبہ بخشنے کے لئے ہے اور دین میں سرخرو کرنے کیلئے ہی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ قرآنی وعدہ صداقت سے خالی ہو۔ مسلمان اللہ والا بنکر سب کو اپنا بنا لینے والا ہے نہیں ہو سکتا کہ اس کے درمیان میں کوئی دوسری راہ ہو۔ آسمان زمین ہو جانے اور زمین آسمان یہ ممکن لیکن یہ ہرگز ممکن نہیں کہ قرآن والی قوم دنیا کی کسی دوسری قوم کی غلام ہو۔ مسلمان اقوام عالم پر غالب بننے کیلئے ہیں یا ان میں سے کسی ایک کے بھی مغلوب بننے کیلئے نہیں اور اگر اس کے خلاف کبھی نظر آئے یا آج نظر آتا ہو تو سمجھ لینا چاہیے کہ مغلوب مسلمان نہیں ہی۔ مسلمان غلامی کیلئے نہیں اس لئے یہ نہیں ہو سکتا کہ ان کو مسلمان بھی کہا جائے اور مغلوب بھی ان ہر دو امر میں سے ایک کا ہونا ضروری ہی۔ اگر مسلمان ہو گا تو غالب ہو گا اور اگر مغلوب ہی تو مسلمان نہیں کیونکہ یہ قرآنی وعدے کے بالکل خلاف ہی۔

مردوں کی تعلیم عورتوں کیلئے کافی ہی

قرآن مجید میں ہے قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا۔ تم اپنے کو بھی اور اپنے اہل کو بھی دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اس اصول پر ہر مرد کا فرض ہی کہ اللہ والا بنے اور اپنے خاندان والوں کو بھی اللہ والا بنائے۔ ضروری تعلیم حاصل کرے اور اپنی عورتوں اور بچے بچیوں کو بھی اس سے بہرہ ور کرے یہ بہت ممکن ہی کہ مرد اس بات کا اہتمام کرے کہ دوسرا اس کے گھر والوں کو تعلیم دیدے مگر ایک تو اس میں خرچ ہی۔ دوسرے عموماً بچے اور بچیوں کی گھر سے غیر حاضری تیسرے غیر کے سپرد کرنا اور یہ ظاہر ہی کہ غیر بہر حال میں غیر ہے اس کے علاوہ اور باتیں بھی ہیں جو رونما ہو سکتی ہیں۔ اسلئے بہتر اور افضل یہی ہی کہ مردوں کو خود اپنے ہاتھ میں اس کو لینا چاہیے۔

اسکول و مدرسہ وغیرہ کیلئے علحدہ سے جدوجہد کی ضرورت بھی آ سے لاحق ہوتی ہی ورنہ ہر گھر مدرسہ اور اسکول بن سکتا ہی محلہ کی مسجد میں مردوں کیلئے دارالعلوم ہو اور عورتوں

بچے بچیوں، دائی، ماما اور نوکر چاکر کیلئے بھر گھر تعلیم گاہ قرار پائے۔ اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ صبح و شام اس کے علاوہ اوقات میں دوسرے کام بھی انجام دیئے جائیں۔ اس بات پر زیادہ سے زیادہ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ تعلیم کے جو سامان اسکول و کالج میں مہیا ہیں وہ گھروں کیلئے ناممکن ہیں لیکن اس کا جواب یہ ہے کہ دین میں یہ چیزیں کہاں تک ضروری ہیں اور جو چیزیں دین کیلئے بہت زیادہ ضروری ہیں کیا وہ اسکول و کالج میں ہیں بھی تو اس کا جواب نفی میں ہو گا۔

یہ اصول بے مردوں کی تعلیم عورتوں کیلئے کافی ہے۔ خالص اسلامی اصول ہے اور ایسا کہ قرون اولیٰ میں اس پر عملدرآمد بھی ہو چکا ہے جبکہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم دار العلوم تھی اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین تعلیم لینے والے اور پھر ان کے ذریعے ان کا ہر گھر تعلیمگاہ بنا ہوا تھا۔ جہاں خدا کی کتاب اور اس کے اصول و فروع کی تعلیم تھی۔ عمومیت اور جامعیت جس کا لازمی نتیجہ تھی ان کی امبار ہستیوں نے الحو بر کر دکھلا دیا تھا کہ ان کے بعد والے بھی اس کو اختیار کر کے اپنی سیدھی سادی زندگی سے خود بھی دوسروں کے لئے نمونہ بنیں۔

خلافت فی الارض

بعض اوقات انسانوں پر انسانوں کے ایسے ایسے مظالم توڑے جانیکی خبر سننے میں آتی ہے کہ روح تڑپ جاتی ہے اور قلب بے چین ہو جاتا ہے۔ اکثریت قلیت کو۔ دولتمندی غربت کو۔ استعمار پرستی چھوٹے بڑے شہروں کو وہ کیا کچھ نہیں دیتی جو اس کے آہنی پنجوں اور پھاڑ کھانیوالے شیطانی دانتوں میں ہے۔

دنیا میں جو اس وقت سیاسی جال بچھا ہوا ہے وہ شیطانی جال ہے اور ہوس پرستیوں اور نفس پرستیوں کا کھلا ہوا ثبوت۔ ایک بھیڑیا اپنے شکار کی خاطر دوسرے بھیڑیے کے سامنے بھی خوشی خوشی ایک شکار نذر ہو جاتے دیتا ہے پھر یہاں انصاف اور انسانیت کی ملاحظہ بات

حقیقت میں دنیا جو کچھ کر رہی ہے اور قومیں جو کچھ کر چکیں یا آئندہ کرنیوالی ہیں وہ اپنے اپنے غرض کے حصول کیلئے ہیں اس سے زیادہ نہیں تہذیب و تمدن کے دعوے اپنے غرض کے حصول کیلئے ہیں اور ان کے علوم و فنون اپنی عیش پرستی کیلئے اور یہ سب کچھ اُس وقت تک ہوتا رہیگا جب تک دنیا قرآنی دنیا نہ بنجائے اور حقیقی خلافت کا قیام نہ ہو جائے۔

خلافت فی الارض کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ اللہ کی مخلوق اللہ والوں کے زیر سایہ آجائے ایک انسان دوسرے کو انسان سمجھے انسانی برادری قائم ہو جائے اور دنیا امن و چین والی بنجائے دنیا خالق سماوات والارض اپنی مخلوق پر جس قدر رحم رکھتا ہے اور جیسا وہ انصاف کرنیوالا ہے ظاہر ہے کہ دوسرا نہیں ہو سکتا خلیفہ اسی چیز کو پورا کرنے کیلئے آسمان والے کی طرف سے زمین والوں پر نائب ہے۔ اب غور سے دیکھا جائے تو آسمانی بادشاہت کہیں بھی قائم نہیں اور ایک بادشاہ بھی اپنی رعیت پر اللہ تعالیٰ کا نائب بنکر حکومت نہیں کرتا بلکہ اس کی جدوجہد بھی کہیں نہیں اسلئے سمجھ لینا چاہئے کہ دنیا شیطانی دنیا بنی ہوئی ہے اور ظلم و ناانصافی کا گہوارہ ہے۔ عیسائی جو گرجا میں جا کر ہر ہفتہ آسمانی حکومت کیلئے دعا کرتے ہیں دیکھا جائے تو وہی سب سے زیادہ جوع الارض کے شکار ہو رہے ہیں اور استعمار پرستی ان ہی کی خمیر میں ملی ہوئی ہے ممکن ہے کہ ان کی دیکھا دیکھی ایشیا کا بھی یہی حال ہو جب عالم یہ ہے تو طے کر لینا چاہئے کہ ساری جدوجہد یہ کہ ہے سوا اس کے کہ حکومت الٰہی کا مطالبہ کرنیوالے پیدا ہوں اور اللہ کے سپاہی بنکر اللہ کا یہ پیام گھر گھر تک پہنچا دیں کہ خلیفہ کی ضرورت ہے اور روئے زمین پہ خلافت کا قائم ہونا ضروری ہے۔

قرآن مجید کی تلاوت کے طریقے

چونکہ قرآن مجید انسانی خواہشات میں گم ہو کر رہ گیا ہے اس لیے اس کی صحیح تلاوت کا پتہ موجودہ تلاوت

کرنے والوں میں تلاش نہیں کرنا چاہیے جس طرح آج کے مسلمان اسلام کے نمائندے نہیں ہیں اسی طرح ان کی موجودہ تلاوت اصلی قرآن کی تلاوت کو ظاہر نہیں کرتی بعض بزرگوں اور آئمہ دین نے قرآن مجید کی تلاوت کے طریقے بتائے بھی ہیں مگر حقیقت میں بھی زیادہ قابل توجہ اور مکمل نہیں یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح قرآن مجید بہ حیثیت معجزہ اور آپ اپنی مثال ہے اسی طرح وہ ہمہ صفت موصوف بھی ہے۔ اگر کوئی شخص یہ معلوم کرنا چاہے کہ انسانوں کے پیدا ہونے کی غرض کو معلوم کرے تو قرآن مجید اس کو بھی بتائے گا۔ یہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام کیا ہے تو اس کو بھی سمجھائے گا یہاں تک کہ اگر خدا کو پہنچانا چاہے تو اس کو بھی قرآن مجید ہی پورا کرے گا بس یہی حال اس کا بھی ہے کہ اگر کوئی شخص قرآن مجید کی حقیقی تلاوت کو معلوم کرنا چاہے تو اس کو بھی قرآن مجید ہی بتلائے گا کسی کتاب کا مطالعہ کیا ہے اور تلاوت کس کو کہتے ہیں یہ بڑی اہم باتیں ہیں ہزاروں لوگ ہیں جو کتابوں کا مطالعہ کرتے ہیں مگر جیسا فائدہ حاصل کرنا چاہیے نہیں کرتے اسی طرح لاکھوں مسلمان ہیں کہ قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں مگر تلاوت کے فائدے سے محروم رہتے ہیں ان کو چاہیے کہ قرآن مجید کی تلاوت کے طریقے خود قرآن مجید سے معلوم کریں۔

خدا کا آخری آسمانی پیغام

مذاہب عالم کے انبیاء و مرسلین خدا کے پیامبر تھے اور وہ جو کچھ لاتے رہے وہ سب اللہ کا پیام تھا ان سب کی بعثت کی غرض ایک ہی تھی کہ عبد و معبود کے ساتھ صحیح تعلق قائم کرایا جائے اور اسکو ایک حکم کا حکمبردار بنا کر ایک عالم کی حکومت کے اندر کردیا جائے مگر قوموں کی بڑی بدقسمتی یہ رہی کہ وہ اس دین کو ہمیشہ کیلئے سمجھ بیٹھے ہے اور جب ان کے پاس کوئی دوسرا پیغمبر اُن کی پیدا کردہ غلطی کو دور کرنے کے لئے آیا تو انہوں نے اس سے انکار کردیا اس طرح پر وہ مستقل ایک قوم اور

ایک مذہب والے ہو گئے اور جنہوں نے اس پیغمبر کی ہدایت کو قبول کیا وہ اپنی قوم سے کٹ کر ایک دوسری قوم اور دوسرے مذہب میں منتقل ہو گئے۔ اسی طرح ایک سے دو۔ دو سے تین بنتے چلے گئے جس کا نتیجہ آج سینکڑوں مذہب اور سینکڑوں قوم کی شکل میں موجود ہے۔

اسلام کے عام طور پر قبول نہ کئے جانے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ شروع سے ہی ایک بدنظمی کا ظہور رہا ہے اور اگر ایسا نہ ہوا ہوتا بلکہ اس کی مثال ایسی ہی ہوتی جیسے ایک بادشاہ کی رعیت مسلسل بعد میں ہونے والے بادشاہوں کی بھی رعیت بنی رہتی ہے اور جس طرح ایک کا حکم مانتی رہی دوسرے کا بھی ماننے کیلئے تیار رہتی ہے تو بادشاہ کے بدلنے سے انتظام سلطنت نہیں ٹوٹتا اسی طرح پیغمبروں کے بدلنے سے بھی متفرق مذاہب کو ظہور پذیر نہ ہونا چاہیئے تھا۔ اگر ایسا ہوا ہوتا تو اسلام کے آتے ہی دنیا اسلام میں تبدیل ہو جاتی۔

یہ کس قدر حیرت کی بات ہے اور یہ کیسا انسانی کمزوریوں کا مظاہرہ ہے کہ خدا کے ایک پیغمبر کو تو مانے اور دوسرے کو عملاً نہ مانے۔ ایک پیغمبر کی تعلیمات کیلئے تو خون پانی ایک کر دے مگر دوسرے کی تعلیمات کے خلاف خم ٹھونک کر مقابلے کے لئے کھڑی ہو جائے۔

محمد عربی پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ میں کوئی نیا رسول نہیں ہوں بلکہ اپنے پیشروؤں کی تصدیق کرنے اور ان کی حقیقی تعلیمات کو پھر سے پیش کرنے کیلئے آیا ہوں چنانچہ قرآن مجید نے بھی اسی کا دعوے کیا اور کہا کہ وہ کسی انبیاء و رسل میں فرق کیلئے نہیں جب حال یہ ہے تو یہ کیا ہے کہ قومیں اس کو قبول نہیں کرتیں۔ یہ تو ان کی کتاب کی صداقت پر گواہی دیتا ہے پھر اپنے گواہ کو نہ ماننا کونسی عقلمندی ہے۔ اپنے گواہ کو جھٹلانا تو درحقیقت اپنے اپنے دعوٰی کی تکذیب ہے۔

قرآن مجید خدا کا آخری آسمانی پیغام ہے۔ اس لئے اور بھی زیادہ قابل توجہ ہے کیونکہ اس سے پہلے کی کتابوں کے ساتھ اگر یہ سلوک روا رکھا گیا تھا تو اس غلطی کے ازالہ کا بھی موقع

موجود تھا مگر اب تو اس کے بعد کوئی موقع نہیں کیونکہ قرآن مجید خدا کا آخری آسمانی پیغام ہی اس کے بعد تو کوئی اور پیغام آنے والا نہیں اب اگر اس کو نہ مانا گیا تو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے گمراہی باقی رہے گی۔

قرآن مجید کا نہ ماننا خدا کا نہ ماننا ہی ایک شخص ایک بادشاہ کے ہزاروں فرمان کو مان لے لیکن اگر آخری پیغام کی تکذیب کرے تو گویا اس نے سارے حکموں کے ماننے پر پانی پھیر دیا۔ اور اب یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ یہ سمجھتا رہے کہ خدا اس سے خوش ہوگا اور ایسی حالت میں وہ کوئی مذہب قائم ہے۔

میں جہاں تک سمجھ سکا ہوں اس میں دو طرف سے غلطی ہو رہی ہے ایک تو مسلمانوں کی طرف سے جنہوں نے قرآن کو خاص اپنی چیز سمجھ رکھا ہے حالانکہ وہ سارے جہان کیلئے ہے ان ھو الا ذکر للعالمین۔ دوسری یہ بھی غلطی ہے کہ یہ قرآن مجید کو دوسروں تک پہنچانے کے لئے اپنے کو اللہ کا پیامی نہیں سمجھتے۔ تیسری غلطی خود اقوام عالم کی ہے کہ وہ آخر کیوں خدا کے آخری آسمانی پیغام کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور حقیقت کو تلاش نہیں کرتے۔

قرآن کو قرآن کیلئے پڑھو

مسلمان اگر قرآن کو قرآن کیلئے پڑھتے تو قرآن ان کے قومی اور مذہبی وقار کو قائم رکھتا اور یہ ہمیشہ آگے بڑھتے اور زمین قلوب پر قبضہ کرتے جاتے۔

مسلمان اگر قرآن کو قرآن کیلئے پڑھتے تو ان کے اندر ہرگز ہرگز فرقہ بندی رونما نہ ہوتی اور ان کی وہ قوت جو دوسروں پر صرف ہوتی آپس میں ایک دوسرے کو تباہ و برباد کرنے میں صرف نہ ہوتی۔

مسلمان اگر قرآن کو قرآن کیلئے پڑھتے تو دنیا میں آج قرآنی قوانین نفاذ پذیر ہوتے اور روئے زمین پر حکومت الٰہی کا قیام ہوتا۔

مسلمان اگر قرآن کو قرآن کیلئے پڑھتے تو تو میں ان سے سبق لے جاتیں بلکہ یہ استاد زمانہ ہوتے اور دوسرے ان کی پیروی پر فخر کرتے۔
مسلمان اگر قرآن کو قرآن کیلئے پڑھتے تو وہ ان کو انسان بنادیتا مسلمان بنادیتا ان کے زندگی کے مقصد کو اُن کے ذہن نشین کردیتا۔ پھر یہ ظاہر و باطن اللہ کے محکوم ہوتے اللہ کے بنتے اور اللہ سے محبت کرتے۔
مسلمان اگر قرآن کو قرآن کیلئے پڑھتے تو دنیا بھی اُن کی ہوتی اور دین پر بھی اُن کا قبضہ ہوتا۔ اور یہ یقینی ہے کہ اب بھی جب تک قرآن کو قرآن کے لئے نہیں پڑھینگے کہیں کے بھی نہیں ہوں گے۔ اس لئے میں اُن کے ایک ایک فرد سے کہوں گا کہ خدارا قرآن کو قرآن کے لئے پڑھو۔

کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

قرآن مجید میں حکم ہے کہ سچوں کے ساتھ ہوجاؤ۔ اس وسیع آسمان کے نیچے اور اس طویل کرہ ارض پر آفتاب کا چراغ لیکر تلاش کرنیکی ضرورت ہے کہ وہ مبارک جماعت اور وہ افراد کہاں ہیں جن کے ساتھ ہوکر ایک شخص تسکین قلب حاصل کرے۔

ایشیا یورپ، امریکہ، افریقہ، انگلستان، فرانس، جرمن، روس، چین، جاپان میں سے اکثروں کو دعوے ہے کہ وہ علم و فن اور تہذیب تمدن کے علمبردار ہیں لیکن یہ الفاظ ہیں جو تسر مند معنی نہیں ہیں۔ اگر سچے یہ ہیں اور صداقت ان کے یہاں ہی تو پھر جھوٹوں اور کذب کا ہر زبان کی ڈکشنری سے لفظ نکالدینا چاہیئے لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ سب برعکس نام نہند زنگی کافور کی مصداق بنے ہوئے ہیں۔

ان کی تعلیمگاہوں میں چلے جاؤ اور دیکھو کہ کس چیز کی تعلیم ہو رہی ہے اور یہ مشنریاں کس قسم کے پتلے ڈھالنے میں مشغول ہیں۔

ان کی عدالتوں کا معائنہ کرو اور یہ پتہ چلاؤ کہ کیا ہو رہا ہے اور خون کے آنسو روؤ کے حق و انصاف اور صداقت کا کس طرح خون کیا جا رہا ہے۔

ایک طرف تو یہ ہے دوسری طرف مسلمان ہیں جو شاید اپنے کو اس کا حقدار سمجھتے ہوں مگر حسرت و ندامت سے کہنا پڑیگا کہ یہاں بھی وہی عالم ہے ان کے مدرسے اور ان کے ممبر بھی لفاظی سے گونج رہے ہیں یہاں بھی لفاظ ہیں معنی کا پتہ نہیں اور ممکن ہے کہ علم بھی ہو مگر عمل نہیں۔

اللہ اللہ صادقین کا کسقدر فقدان ہے اور صداقت کتنی مظلوم بنی ہوئی ہے مگر اس سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے کہ اس کے دعویدار کتنے لوگ ہیں جن کو شرم نہیں آتی کہ وہ ایک ہی سانس میں سچ کا دعویٰ کرتے ہیں مگر بولتے جھوٹ ہیں۔

سچّا خدا۔ خدا کا رسول اور خدا کی کتاب ہے اس لیے جس کو سچا بننا ہو وہ قرآن سے لپٹے اور عنوان مندرجہ بالا کا یہی مطلب ہے

دنیا ایک مقصد پر متحد ہو سکتی ہے

اس کے باوجود کہ ایک پھول کی پنکھڑیوں میں بھی اختلاف ہے اور ہر ایک قسم کی نہیں ہوتیں۔ باوجود اس کے کہ کروروں انسانوں میں سے ایک ماں باپ کے دو بیٹے بھی ہو بہو ایک سے نہیں ہوتے اور ایک آواز سے دوسرے کی آواز نہیں ملتی۔ مگر ایک مقصد ہی جو سب کی زندگی کا اصل مقصد ہے اگرچہ سچ ہے کہ ؎

ہر دل میں نئے درد سے ہے یاد کسیکی ۔۔۔ ملتی نہیں فریاد سے فریاد کسیکی

مگر وہ جو کسی کی ہے وہ تو سب کی ہے۔ ایک مرکز ہے جس کی سب شاخیں ہیں۔ ایک منبع ہے جس کی سب نہریں ہیں۔ اس لئے مسلمان ہی نہیں بلکہ دنیا کی سب قومیں ایک مقصد پر متحد ہو سکتی ہیں۔ عالمگیر اتحاد اسلامی ہی نہیں بلکہ جمیع اقوام عالم کا اتحاد ممکن ہے۔

یہ کیا ہے کہ دنیا ایک خیال پر کسی نہ کسی رنگ میں متحد ہے بھی اور پھر نہیں بھی ہے اوسی کا سب نام لیتے ہیں اور ہر فرقے والے اسی کی ہستی کے قائل ہیں مگر باوجود اس کے آپس میں اختلاف رکھتے ہیں۔

کہتے ہیں کہ نظام عالم کا قیام اختلافات پر مبنی ہے اگر یہ باقی نہ رہیں نظام عالم درہم و برہم ہو جائے۔ یہ ممکن ہے کہ سچ ہو مگر قرآن مقدس کے اندر جو حکم ہے وہ تو ایک ہو جانے کا ہے قوموں کے اتحاد کا ہے۔ ایک رنگ میں رنگ جانے کا ہے۔ ایک مرکز پر جم جانے اور ایک محور کے گرد گردش کرنے کا ہے۔

ہر انسان کا اصل مقصد خدا ہے۔ اس لئے یہ اعتقاد ہونا چاہئے اور اس بات کا یقین کر لینا چاہیے کہ دنیا ایک مقصد پر متحد ہو سکتی ہے۔

تحقیق و تقلید

انسانوں میں محقق کم ہوتے ہیں اور مقلد بہت۔ مقلد کی یہ عادت ہوتی ہے کہ جب کسی خیال کو اپنے خیال کے مخالف پاتا ہے تو اُس کے انکار و تردید میں جلدی کرتا ہے۔ اگرچہ وہ خیال واقع کے مطابق ہی کیوں نہ ہو۔ مگر عقلمندوں نے ایسے شخص کو معذور رکھا ہے۔ کیونکہ وہ تحقیق کی لذت سے محروم اور بے خبر ہوتا ہے برعکس اس کے محقق کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ جب کسی خیال کو اپنے خیال کے مخالف پاتا ہے تو اُسے سوچتا ہے اور تقلید و تعبد کے گڑھے میں گرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ وہ تقلید کو ادنیٰ مرتبہ کی چیز خیال کرتا ہے اور تحقیق سے

مدارج عالیہ پر پہنچنا چاہتا ہے وہ جانتا ہے کہ

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

آج عالم اسلام میں مسلمانوں کیلئے اور عالم انسانیت میں انسانوں کیلئے فلاح و بہبود کیلئے اور نئی پرانے ہزار ہا طریقے سوچے اور عمل میں لائے جا رہے ہیں۔ قرآنی تحریک اور اس کے مقاصد بھی کچھ نئے نہیں لیکن تقلید کی قید و بند سے ضرور آزاد ہیں اس لئے لوگوں کو ایک نئی بات معلوم ہو رہی ہے۔ حالانکہ نئی باتیں تو خود ان سے سرزد ہو رہی ہیں۔ چاہے وہ جب سے شروع ہوئی ہوں۔ خدا نے وحی کے ذریعے۔ روح الامین کے واسطے سے تو اسی چیز کو اسی مقصد کیلئے بھیجا اور محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو سیکھا اور دوسروں کو اسی کو سکھایا۔ پھر ان صحابہ اور تابعین نے اسی مقصد عظیم کو پورا کیا۔ اب اس کے بعد وہ چیز اور وہ طریقہ برائے نام رہ گیا۔ بلکہ فراموش ہو گیا۔ اس لئے اب اس کو جب پھر یاد دلایا جا رہا ہے تو وہ نیا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ اصلی اور سب سے پرانا وہی ہے جب حقیقت حال یہ ہے تو کیا یہ قرین انصاف ہے کہ مقلد کی تقلید محقق کو کرنا چاہئے۔ چاہے ان کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن

نے پیروی قیس نہ فرہاد کریں گے ۔ ہم طرز جنوں اور ہی ایجاد کریں گے

بعض لوگ ایسے بھی ہیں جن کی آنکھیں نئی روشنی سے خیرہ ہو گئی ہیں اور بہت ایسے بھی ہیں جو اپنی موجودہ حالت کو ہی پسند کرتے ہیں کوئی کوئی ترقی کے خواہاں مستقبل قریب میں کچھ اور دیکھنا چاہتے ہیں۔ مگر ہماری تو یہ آرزو ہے۔

ہاں دکھا دے ای مقدر پھر وہ صبح و شام تو
دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

تبلیغی قوم

اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے اس لئے مسلمانوں کی قوم ایک تبلیغی قوم ہے۔ ارشاد باری ہے کنتم خیر امتہ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر تم بہترین امت ہو تاکہ نوع انسان کو اللہ کی فرمانبرداری کے لئے کہو اور نافرمانی سے روکو۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ جو شخص اپنے کو مسلمان کہتا ہے وہ اللہ کا پیامی اور اللہ کا سپاہی ہے اس کے بعد وہ تاجر ہو یا کاشتکار، ملازم پیشہ ہو یا کچھ اور بلکہ یہ سب کچھ بھی اس لئے ہے کہ اللہ کا پیام رسان بننے اور اللہ کا سپاہی ہونے میں بالواسطہ یا بلاواسطہ امداد پہنچے

شور ہے کہ اسلام مانع ترقی ہے اور مسلمان پستی میں آئی ہوئی قوم کا نام ہے کاش دنیا نے اسلام اور مسلمانوں کو سمجھنے کی کوشش کی ہوتی تو ہرگز یہ اعتراض پیدا نہ ہوتا اور اگر مسلمانوں نے خود اسلام اور اپنے کو پہچانا ہوتا تو ہرگز یہ پستی نصیب نہ ہوتی۔

انسانوں کے پیدا کئے جانے کے وقت ہی فرشتوں نے ان کے مفسد ہونیکو تاڑ لیا تھا اور سرے سے اُن کی تخلیق ہی ان کی نظر میں فضول تھی جس کی خالق ارض وسماوات نے بھی تردید نہیں کی بلکہ یہ کہا کہ نہیں اس مادہ فساد کا مصلح بھی پیدا کر دیا جائیگا۔ نیک و بد کی تمیز دیدیجائیگی۔ نفع ونقصان سے آگاہ کر دیا جائیگا اپنے انعام و اکرام بھی بخشش کی صورتیں یاد دلائے جائیں گے اور اپنی نافرمانی سے اپنے عذاب وعقاب کو یاد دلا کر باز رکھا جائیگا۔ زمین والوں کے لئے آسمانی پیغام بھیجا جائیگا اور انہی میں سے انبیاء ومرسلین پیدا کر کے ان کو نمونہ قرار دیا جائیگا اور اب جو ہماری مرضیات کے تابع اور نامرضیات سے بچنے والے ہوں گے وہ فساد فی الارض کے مرتکب تو کیا ای فرشتو

تم سے بھی مرتبہ میں بڑھ جائیں گے۔ کیونکہ تم تو ہماری نافرمانیوں کا مادہ ہی نہیں رکھتے۔ اس صورت میں جس کام کیلئے پیدا کئے گئے ہو اس کے سوا دوسرا کر بھی کیا سکتے ہو مگر یہ انسان باوجود فساد کی قوت رکھنے کے بھی ان الائشوں سے بچ سکیگا اور ہمارا فرمانبردار ہوگا پس اب تم ہماری تسبیح و تہلیل کیلئے کافی نہیں رہے بلکہ ایک ایسی مخلوق کی ضرورت ہے جس کو ہم انسان کی صورت میں پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا اور آدم کو ہر شئے کے نام اس کی حکمتیں اس کے فائدے اور نقصان سے پوری طرح فطرتاً آگاہ کر دیا گیا اس کے علاوہ صاف و صریح احکام ہر ملک ہر شہر ہر قصبے ہر دیہات میں ہر قوم کے لئے ہمیشہ بھیجا جاتا رہا اور انبیاء و مرسلین مبعوث فرمائے جاتے رہے۔ یہ سب مزید مہربانیاں اور مزید احسانات ہیں ورنہ فطرتاً تو ہر شخص کو لازم تھا کہ اپنے کو مخلوق و عبد تسلیم کرکے خالق کی عبادت کرے۔

بہر حال ان ہی میں ایسے بھی ہوئے جنہوں نے حق کی پھر بھی مخالفت کی اور بعضوں نے لبیک کہا۔ یہاں تک کہ یہ سلسلہ پیغمبر آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا اور آپ اللہ کا آخری اور مکمل حکمنامہ لیکر کامل نمونہ بنکر مبعوث ہوئے۔ آپ کی امت خیر امتہ قرار دیگئی اور اس کا کام امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جہاں قرار دیا گیا۔ اس سے داعیان حق کی قیامت تک کیلئے ضرورت پوری کر دی گئی۔

تبلیغ کے داخلی و خارجی دو شعبے ہیں۔ داخلی تو وہ ہے جو خود مسلمانوں کے اندر تبلیغی کام انجام پاتا ہے اور ان کے دینی و دنیاوی غلبہ کو دنیا والوں پر ہمیشہ قائم رکھے اور خارجی تبلیغ سے مراد غیر اقوام کو راہِ راست پر لانے کی سعی کرنے سے پست لوگوں کو اٹھا کر بلند کر دینے سے ہے۔

اس سے پہلے یہ ضروری ہے کہ وہ چیز جو ان کو یہ مرتبہ دے اور امتیاز بخشے

سامنے لانے کی ہے۔ پھر لکھنے کی ہے۔ اگر حقیقت میں وہ اسی قابل ہے تو پھر کسی بات پر اعتراض باقی نہیں رہتا۔ وہ چیز قرآن مجید ہی جو اپنے حق اور لاجواب ہونیکا مشہور دعویدار ہے اور قیامت تک اس کا یہی دعویٰ باقی رہیگا پس دنیا کو یہ تسلیم کر لینا چاہئے کہ مسلمان ایک تبلیغی قوم کا نام ہے اور خود مسلمانوں کو بھی اس کا ثبوت دینا چاہئے۔

میں کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ جب تک مسلمانوں کا رُخ اس طرف نہیں پھیر دیا جائیگا اُن کی ترقی پستی سے بدلی رہیگی۔ یہ خود آپس میں لڑیں گے ایک دوسرے کو کافر بنا ئینگے فرقہ فرقہ ہو کر اسلام کو بدنام کرینگے۔

رہا یہ امر کہ اسلام ترقی کا مانع ہے تو یہ بھی مسلمانوں کی غلط نمائندگی کی وجہ سے ہے اگر کسی کو حقیقی اسلام سے واقفیت حاصل کرنی ہو تو وہ قرآن کو دیکھے اور صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی میں اسکو تلاش کرے۔

غیر قومی تسلط

قرآن مجید میں ہی وارسل رسولہ بالہدیٰ ودین الحق لیظہرہٗ علی الدین کلہ مسلمان جو اپنے کو دین کا حامل سمجھتے ہیں اور پھر محکومیت کی زندگی پر قانع نظر آتے ہیں وہ شاید اس آیت کریمہ پر ایمان رکھکر بھی ایمان نہیں رکھتے۔ اور جو لوگ غیر قومی تسلط کو خدا کی مرضی اور اس سے بڑھکر خدا کی رحمت سمجھتے ہیں اس کے سوا نہیں کی یا تو وہ شرارت کرتے ہیں یا درحقیقت اُن کی ذہنیت ہی ایسی مسخ ہو گئی ہے۔ یہ اگر فرعون و نمرود کے وقت میں ہوتے جب ہی موسیٰؑ اور ابراہیمؑ کو بھی نصیحت کرتے۔ ان کو نہیں معلوم کہ غیر قومی تسلط کے کیا کیا اسباب ہوتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر خدا ان غیر اقوام سے خوش نہ ہوتا تو بادشاہت کیونکر عطا فرماتا۔ ان کو جاننا چاہئے کہ یہ ان کی تنبیہ

کے لئے کیا جاتا ہے تاکہ یہ اب بھی اپنی حالت سے نکلیں ان کو غلبہ و تسلط کے لئے پیدا کیا گیا ہے تاکہ ان کے ذریعہ سے دین حق کو غلبہ حاصل رہے اور اگر یہ ایسا نہیں کریں گے تو پھر یہ وعید موجود ہے۔ یا ایھا الذین اٰمنوا من یرتد منکم عن دینہ فسوف یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہٗ

مسلمانوں کو خدائی راج کی ضرورت ہے

اسلام کی حقیقت کو جن لوگوں نے سمجھا ہے وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ دنیا سے انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین اور ان کی قائم کردہ سلطنتوں کو مٹا کر آسمانی قوانین اور اللہ تعالےٰ کی حکومت کو قایم کرانے کے لئے آیا ہے پیغمبر اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کی تعلیم دی اور اسی کی بنیاد رکھی۔ قیصر و کسریٰ اور مقوقس وغیرہ کو انہیں جذبات کے تحت اسلام کی دعوت دی گئی اور صحابۂ اکرام رضی اللہ عنہم نے عملاً اسی کو کر دکھایا اور قرآن مجید قیامت تک کیلئے اسی علم کی تبلیغ کرتا ہے اور اسی عمل کی دعوت دیتا ہے

خلفائے راشدین نے جس طرح جہاد فی سبیل اللہ سے روئے زمین کیلئے حکومت الٰہی کا نقشہ پیش کیا وہ اس لائق تھا کہ دنیا والے پھر خود بخود اسی کے خواستگار ہوتے اور اسی نقش پر چلنے کے لئے زندگی بسر کرتے۔ مگر سب سے پہلے مسلمانوں نے اس پر کاری ضرب لگائی اور وہ جو شاہان اسلام اور بعض خلفا کے نام سے یاد کئے جاتے ہیں سب سے زیادہ اس کے جوابدہ اور سب سے بڑے اس کے مجرم ہیں کہ انہوں نے کس طرح خود سرانا حکومتیں کیں۔ اسی غلط چیز نے صحیح چیز کو تاریکی میں ڈالدیا۔ اور آج اکثر ملک کے مسلمان آزادی اور اپنے راج کے طلب میں لگے ہوئے ہیں ان کی زبان پر بھول کر بھی اللہ کی حکومت کا نام نہیں آتا اور یہ جھوٹے منہ بھی

آسمانی قوانین کے نفاذ کے خواستگار نہیں ہوئے۔

مصر، شام، عراق، ترکی اور ہندوستان ہر جگہ یہی غفلت شعار ان طلب ہے اور اسی کے واسطے مارتے اور مرتے ہیں در سمجھتے ہیں کہ شہادت کا درجہ حاصل کر رہی ہیں ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کیا کر رہی ہیں اور در اصل ان کو کیا کرنا چاہیئے۔ علمائے اسلام کا اس معصیت میں مبتلا ہو جانا بڑی مصیبت ہے جس سے خدا ہی ہے جو چھٹکارا حاصل ہو۔

آخر یہ بات اُن کی سمجھ میں کیوں نہیں آتی اس میں ایک تو ان کی غفلت شعاری کو دخل ہے دوسرے اُن کی ہمت کا سوال ہے۔ افسوس ہے کہ جو بات دل میں ہے وہ زبان پر نہیں آتی کاش ہندوستان کے ہی مسلمان اس کی بسم اللہ شروع کریں اور صاف لفظوں میں اعلان کردیں کہ مسلمانوں کو خدائی راج کی ضرورت ہے۔ یہ نہ اپنا راج چاہیں نہ ہندو راج اور نہ ہی سوراج ان کے لئے موزوں چیز ہے۔

مسلمان ایک مرتبہ یہ سوچیں کہ قرآنی قوانین نفاذ پذیر ہونے کے لئے ہیں کتاب کے اندر بند رہنے کے لئے نہیں۔

فطرت انسانی کا نام قرآن ہے

یہ ایک اہم سوال ہے کہ خدا نے کسی کو مسلمان اور کسی کو کافر کیوں پیدا کیا؟ مگر اس سوال کا جواب نہایت آسان ہے وہ یہ کہ خدا نے کسی کو کافر نہیں پیدا کیا بلکہ یہ سب فطرت کی خلاف ورزی کا نتیجہ ہے۔

یوں سمجھنا چاہیئے کہ اگر والدین ہندو ہیں یا عیسائی۔ یہودی ہیں یا پارسی اور ان کی اولاد بھی وہی بن جاتی ہے جو والدین ہیں تو اس میں ایک قصور والدین کا ہے دوسرا خود مولود کا۔ مگر مولود کا قصور اس وقت سے شروع ہوتا ہے جب سے کہ وہ سن شعور

پہنچتا ہے اور اپنی عقل و رائے کا مالک بنتا ہے۔ ہزاروں کام ہوتے ہیں جو اولاد والدین کے خلاف کرتی ہے بعض والدین جاہل ہیں تو وہ پڑھتی ہے بعض کاشتکار ہیں تو وہ ملازم پیشہ یا تجارت پیشہ بنتی ہے۔ اسی طرح اور بیشمار باتیں بھی ہیں جن میں والدین کی متابعت نہیں کی جاتی۔ پھر مذہب جیسی ضروری اور اہم بلکہ ہر کام سے مقدم شئے میں نری تقلید ہی کیوں روا رکھی جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ مذہب ہی وہ چیز ہے جو ورانتاً تقلیدی چیز بن گیا ہے حالانکہ اس کو سراپا تحقیقی ہونا چاہیئے۔

اس کے بعد اس کا درجہ آتا ہے کہ تحقیق کا نتیجہ مختلف برآمد ہو گا۔ اور اگر ایسا ہوا تو پھر اتحاد عالم ناممکن ہو جائیگا۔ مگر اس کو یوں سمجھنا چاہیئے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا۔ مذہب ہر شخص کی فطرت میں داخل ہے اور وہ ایک کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ جب یہ قاعدہ کلیہ تسلیم کر لیا جائے تو آج ایک چیز کا نام مناسب ہے فطرت انسانی کا نام قرآن ہے اس لئے جو مذہب پیش کرے گا وہی صحیح ہو گا اور یہ سوا ایک کے دوسرا اور کوئی مذہب ہرگز پیش نہیں کریگا۔ بہر حال خدا ایک ہے انسان کی نوع ایک ہے تو مذہب جیسی ضروری چیز کو بھی ایک ہو جانا چاہیئے۔

صوتِ سرمدی

مصلح

اُف رے کلامِ دلگداز   اُف رے صدائے سوز و ساز
کہدیا اپنا سارا راز   اے مرے سامعہ نواز

یہ ترا صوتِ سرمدی

دل کو مرے ہلا ہلا   غنچۂ دل کھلا کھلا
ہاں ہاں مجھے سُنا سُنا   اپنی صدائے بے صدا
روح کی ہے یہی غذا   بھا گیا مجکو اے خدا

یہ ترا صوتِ سرمدی

تیرا جمال لازوال   تیرا کلام باکمال
وصف میں ہے زباں لال   پہنچے نہ وہم اور خیال
کانوں کی راہ دل میں ڈال   فرش سے عرش پر اچھال
کہنے کی تو نہیں مجال   سننے کو صوتِ سوال

یہ ترا صوتِ سرمدی

عالمگیر قرآنی تحریک

قرآنی تحریک کا تعلق کسی خاص قوم اور کسی خاص فرقہ سے نہیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ
آخری پیغام قرآنی مقدس کی عام دعوت و تبلیغ کے لئے ہے اور ایسا ہی ہونا بھی
تھا کیونکہ قرآن مجید خود بھی اسی کا مدعی اور متمنا ہے۔ اور اگر مسلمانوں سے کوئی خاص
مخاطبت ہے تو اس لئے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم قرآن کو مانتے ہیں، قرآن ہمارا ہے اور
ہم قرآن والی قوم ہیں۔ اور اس لئے بھی کہ ایک جماعت ہونی چاہیے جو قرآن کے
ساتھ ساتھ اپنی عملی قرآنی زندگی کو بھی پیش کر سکے۔

نوع انسان کے ہر فرد کے لئے دنیا میں ہرگز کوئی تحریک صحیح معنوں میں
عالمگیر تحریک ہو سکتی ہے تو وہ صرف قرآنی تحریک ہے۔ انسانوں کے پیدا ہونے کی
ایک غرض ہے جس کو بتانے والی یہی کتاب ہے۔ ان ہو الا ذکر للعالمین۔ اسی کی
شان میں ہے۔ یا ایہا الناس اعبدوا ربکم الذی خلقکم والذین من قبلکم کے آوازے بھی
لگاتا ہے۔ یا اہل الکتٰب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم کی صدا بھی بلند کرتا ہے۔

اس لئے مذاہب عالم کی کانفرنس، لیگ آف نیشن وغیرہ کی اگر ضرورت محسوس
کی گئی اور لانیوالوں نے اس کو منصۂ شہود پر لا کر چھوڑا تو عالمگیر قرآنی تحریک کا پروگرام
صرف تخیل نہیں ہو سکتا بلکہ اس تحریک کو تو انسانوں کی چیز سمجھنا بھی نہیں چاہیے یہ تو
انسانوں کے پیدا کرنیوالے خدا کی طرف سے ہے اور یہی اس کا منشاء اور اسکی مرضی ہے
اب جس کا جی چاہے اس کی تصدیق کر لے۔ قرآن مجید کے ہر صفحہ پر اُس کو یہی نظر
آئیگا اور ہر رکوع سے یہی سنائی دیگا۔

قرآن حکیم کی صدا

میرا نام قرآن حکیم ہے۔ میں اس ذات کا کلام ہوں جو سب سے بالا و برتر ہے۔ جو حکیم مطلق ہے جس نے انسانوں کی نبض شناسی کر کے اُن کی صحت اور زندگی کے لیے مجھے نسخہ قرار دیا۔ اور میرے اندر تمامی امراض کی دوا عطا فرما دی اور شفا یقینی کر دی۔ تشخیص صحیح ہے اور دوا ہیں آزمودہ۔ میں مجرب نسخہ ہوں۔ ایسا کہ اس میں آسمان و زمین کے اندر میرا کوئی ثانی نہیں۔ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے میں آیا۔ اس وقت جبکہ دنیا گندگیوں سے پٹی پڑی تھی۔ جہالت کے امراض میں مبتلا تھی۔ اپنے ہاتھوں ہلاک ہو رہی تھی۔ لیکن میرے آتے ہی عرب جیسی قوم بھلی چنگی اور قوی اور توانا ہو گئی دل و دماغ تازہ ہو گئے۔ جسم میں بلا کی قوت آ گئی روح جاگ اٹھی۔ ہمت میں غضب کی بالیدگی ہو گئی۔ ایک ایک دس دس پر بھاری ہو گیا۔ دس دس نے ہزار ہزار کے اور ہزار ہزار نے لاکھ لاکھ کے منہ پھیر دیئے۔ اس نے اپنے دست حق پرست سے شیاطین کے تخت الٹ دیئے۔ کفر و الحاد کی چولیں ڈھیلی کر دیں۔ قیصر و کسریٰ کی سلطنتوں کی بنیادیں ہلا دیں۔

دنیا میں بس دو چیزیں ہیں مرض یا شفا، جب شفا کا تجربہ ہو گیا۔ اس کی پاک صاف روشنی میں دنیا اور دنیا والوں کو مرض، کفر و بدعت، شرک و ضلالت بندگی کی شان سے ہٹ جانا۔ معبود کے مرتبہ کو نہ پہچاننا وغیرہ کی حد سے زیادتی ہو گئی۔ تو صحیح و سالم جسم والوں نے آگے بڑھ کر پکار دیا کہ اے دنیا والو!

تم بیمار ہوا اور تمہارے پیدا کرنے والے حکیم مطلق نے قرآن حکیم کا یہ مقدس نسخہ بھیجا ہے کہ تم اس کو استعمال کرو اور اپنے مرض کو دور کرو۔

پس جس نے سنا، قبول کیا، نسخہ استعمال کیا اور مرض کو دور کیا۔ اسکو بھائی کہہ کر گلے لگایا۔ ساتھ بٹھالیا۔ ایک برتن میں کھلایا اور ایک صف میں کھڑے ہو کر بغل گیر ہونے لگے۔ ایک فوج میں رہ کر جہاد کرنے لگے۔ غرض ان سے کوئی نفرت کوئی مغائرت کوئی چھوت چھات نہ رہی۔ ہاں جس نے اس سے گریز کیا۔ جس نے اپنے مرض کو نہیں پہچانا۔ جو اپنے متعفن انفاس پر مصر رہا جو اپنے سڑے جسم سُبھی ہوئی روح پر قانع رہا۔ اپنے ابنائے جنس کے لیے خطرہ بننا چاہا۔ یا نی ہوا نے اس سڑی ہوئی لاش کو جو صرف بظاہر زندہ تھی۔ زمین کی پیٹھ پر بار سمجھا اور حکیم مطلق سے فریاد کی۔ حکیم خود دانا و بینا تھا۔ اس نے فرمایا میں غافل نہیں قاعدے خلاف کے نہیں ہو سکتا۔ بیماریاں مٹانے کے لیے ہی ہیں۔ اگر بیمار حکیم کی نہ سنے، دوا کا استعمال نہ کرے، مرض کو بڑھا بڑھا کر وہ خود مجسم مرض ہو جائے۔ متعدی بیماریاں بن جائے تو یقیناً وہ اس قابل ہے کہ دنیا سے ناپید کر دیا جائے۔

یہ صحیح اور سالم ہستیوں پر بڑی مہربانی تھی، بڑا کرم تھا۔ اصول صحت کے بالکل مطابق تھا آج متمدن قومیں بھی حفظ ماتقدم کے زمانہ میں یہی کرتی ہیں اور آئندہ اس سے زیادہ کرینگی۔

یہ جہاد تھا!

میں قرآن حکیم ہوں۔ میں تمہیں پھر یاد دلاتا ہوں کہ دنیا میں مرض ہے یا شفا ہے۔ پس اس کے سوا تیسری چیز نہیں۔ شفا مجھ میں ہے اور بہرے ہوا

باقی سب مرض ہے۔ تو جو مجھ سے لاعلم ہوگا۔ مجھ سے منہ موڑے گا۔ مجھے استعمال کرنا چھوڑ دے گا۔ وہ یقیناً مرض میں مبتلا ہو جائے گا اور اس کے ساتھ بھی ایک دن وہی روگ ہوگا جو اوپر بیان ہوا ہے۔ (کیونکہ قانون قدرت بدل نہیں سکتا) یہی ہے جو کہ میں کہہ رہا ہوں اور یہی ہوگا جو مجھ سے سنا جا رہا ہے اسمیں بال برابر بھی فرق نہیں ہو سکتا۔ تم لاکھ چیخو، تم لاکھ سر دے مارو اور لاکھ گریہ و زاری کرو۔ ارسطو و لقمان کو بلا لو، شکسپیر و ملٹن سے مدد مانگ لو، یورپ کی سیاست میں ماہر ہو جاؤ، گیس و بجلی کے مرید بن جاؤ، انجمنیں قایم کرلو، تحریکیں پاس کرلو، اخبار و رسائل سے کام لے لو، غرض وہ سب کچھ کرلو جو دنیا میں ایک شخص کر سکتا ہے، اور وہ سب کچھ ہو جائے جو ایک انسان ہو سکتا ہے۔ مگر یاد رکھو کہ تم اپنے حکیم مطلق کو نہیں ہرا سکتے۔ اس کی حکمتوں سے واقف نہیں ہو سکتے۔ تمہاری صحت اور تمہارا مرض اسی اصول کے تابع رہے گا۔ جو قرآن حکیم کے نام سے آج تمہاری دکانوں اور تمہارے گھروں میں موجود ہے۔

میں جانتا ہوں، میں مانتا ہوں اور مجھے علم ہے کہ تم بھی میرا نام لیتے ہو، مجھے آسمانی کتاب کہتے ہو، اور رسمی طور پر تلاوت کرتے ہو۔ مگر آہ! یہ میری اصلی عظمت نہیں، میرے آنے کا یہ مطلب نہیں، اس سے کوئی فائدہ نہیں۔ اگر فائدہ ہوتا تو آج تم اس حالت میں نہ ہوتے، دنیا اس رنگ میں نہ ہوتی۔ لوگو! تم نے ہمیں کیوں چھوڑ دیا؟ مجھ سے کیا قصور ہوا، مجھ میں کیا کمی پائی، ﷲ بتاؤ میں نے کیا خطا کی؟

سنو! میں اسی طرح آج بھی اکسیر اعظم ہوں، تریاق ہوں جیسا

تیرہ سو برس پہلے تھا۔ میرا صحیح استعمال کرو۔ معنی و مطلب کے ساتھ مجھے جانو اور میرا علم عام کرو۔

حقوق نسواں اور قرآن

خواتین اسلام کو بتلانے کی ضرورت ہے کہ جو حقوق انہیں قرآن مقدس کے ذریعہ اُن کے خدا نے دے رکھے ہیں اور جسے ان کے مرد غضب کئے بیٹھے ہیں۔ وہ اس قدر اور اتنے عمدہ ہیں کہ اگر ان کا یہ مطالبہ شروع کر دیں اور اس کو اپنی جائز جد وجہد سے حاصل کر لیں تو پھر دین و دنیا کی کسی نعمت سے یہ محروم نہ رہ جائیں۔ یہ خود اس سے مالا مال ہو جائیں اور ان کی وجہ سے خود ان کے مردوں کو درست ہونا پڑے۔ پھر یہی نہیں اس کے بعد ان کی اولادیں بھی بطور وارث کے صالح اور دولتمند ہوں اس کے علاوہ ان کا ایسا کرنا ان کی ابنائے جنس کے لئے بھی امن و راحت کا باعث بنے۔ جس کے بغیر دنیائے نسائیت قایل ہو رہی ہے۔

"قرآنی تحریک" کے سلسلے میں یہ چیز اس لئے بھی غایت درجہ قابل اعتنا ہے کہ یورپ کی نام نہاد ترقی اور ننگ انسانیت تہذیب

کے دلدادہ مسلمانوں کو جو کورانہ تقلید کی بُو لگی ہوئی ہے۔ وہ آج بھی ان کے لئے عذاب جان ہے اور کل کو تو یقیناً ان کی تباہی و ہلاکت کا باعث بن جانے والی ہے۔ افسوس ہے کہ مردوں کا مرض متعدی جنس لطیف کو بھی چھو گیا۔ اور وہ اپنی نسائیت کی خوبیوں کو بے دردی کے ساتھ ضائع کرتی جا رہی ہیں۔ مصری اور ترکی خواتین کا اصلی حسن ان سے رخصت ہو رہا ہے۔ اور ہند کی قابل پرستش دیویاں بھی گھناونی ہوتی جا رہی ہیں۔ حیف ہے کہ یہ گھر کی مالکہ بے گھر والیاں ہو کر پارسائی کی بجائے آوارگی کو للچائی ہوئی نگاہوں سے دیکھنے کی عادی ہوتی جا رہی ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر ان کے مرد اپنی اسلامی روایات کی خوبیوں سے متاثر کئے گئے ہوتے اور ان کو فراموش نہ کئے ہوتے تو خواتین کو آج یہ جرأت نہ ہوتی۔ اسی طرح نئے تعلیم یافتہ گروہ کو ریش و فش اور جبہ و دستار والے پرانی وضع کے بزرگ اگر خود انگریزیت کی نذر نہ کئے ہوتے تو پھر ان کی اولاد اور بہو بیٹیاں دشمن دین و ایمان نہ بنتیں۔ ع

ای صبا این آوردۂ ہمہ تست

خرابی وہاں سے رونما ہوئی جہاں سے علماء نے اپنے فرائض کو فراموش کیا۔ قرآن مقدس کے علم و عمل کو عام کرنے سے پہلو تہی کی۔ دنیا حاصل کرنے کے لئے عوام کو اسلام سے محروم کر دیا۔ پھر ان کو جہاں اور جدھر سے یہ چیزیں ملتی نظر آئیں ادھر کے ہو گئے اور یہ ہی حال اس وقت تک رہیگا جب تک قرآنی تعلیمات کے ذریعہ ان کو دنیا اور دین

دونوں نہ دے دیا جائے۔ جب سے کتاب اللہ کو رسمیات کی نذر کردیا گیا اسی دن سے رفتہ رفتہ اسلاف کا اندوختہ بھی اغیار کی نذر ہوتا گیا اور آج قوم مسلم مفلس و نادار ہو کر ہر زرد رنگ کی چیز کو سونا سمجھ کر ادھر ہی کی ہوتی جارہی ہے۔

قرآن مقدس کے دینی و دنیاوی فوائد رکھتے ہی یہ ہوا کہ مسلمانوں کے بعض نادان رہنماؤں نے مذہب کو ایک الگ چیز بتلاکر مذہب ہی کے نام پر دوسری قوموں کی اندھا دھند تقلید شروع کرا دی اور اسی کو مسلمانوں کی نجات کا واحد ذریعہ بتلا کر مسلمان اور اسلام کی صورت بگاڑ دی۔ پرانی وضع کے بزرگوں نے اپنا خون پلا پلا کر اپنی گود میں نئی روشنی والوں کو پروان چڑھایا۔ پھر ان مصیبت کے ماروں نے بھی قدرتاً یہ کیا کہ اپنی شریک زندگی کو اپنے رنگ میں رنگنا ضروری سمجھا۔ اور آج صورت کے بعد سیرت بھی بگڑنا شروع ہوئی۔

خدا کرے ملکہ ثریا کی مصیبت ترکی و ایران کے لئے باعث عبرت ہو۔ غازی رضا شاہ پہلوی اور غازی کمال پاشا کو غازی امان اللہ خان کے حالات سے کوئی سبق حاصل ہو۔ کیونکہ افغانستان کی طوائف الملوکی کے سلسلے میں جہاں اور وجوہ اور اسباب ہیں وہاں یورپی تقلید اور ملکہ ثریا کی بے پردگی بھی یقیناً ایک بڑا سبب ہے۔ دشمنوں نے قبائل کے بھڑکانے میں جس قدر اس موثر حربے کو استعمال کیا وہ کارگر ہوا کیونکہ وہ متقابلتاً

دوسرے حربوں سے زیادہ دقیع اور تیز ہے۔

ہماری ہندی بہنوں کو بھی اس سے کافی سبق لینا چاہیئے۔ اور اپنی پرانی روایات کو ہی اپنے لئے نجات کا سبب اور حسن و خوبی کا ذریعہ سمجھنا چاہیئے۔ خصوصاً مسلم خواتین کو تو پورے طور پر قرآنی تحریک کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے۔ انہیں قرآن مقدس کو کلیجے سے لگانا اور اس کے علم و عمل سے اپنے کو آراستہ کرکے دیکھنا چاہیئے کہ ان کے پیدا کرنے والے نے ان کو وہ کیا نہیں دیا جو دوسروں کے یہاں ہے؟ اسلام نے جو حقوق اور جو آزادی ان کو دے رکھی ہے اس کو حاصل کر لینا لاکھوں حقوق ہزاروں آزادی سے بہتر اور بالا و برتر ہے۔

جس طرح مردوں پر قرآن کی خدمت لازمی ہے اسی طرح عورتیں بھی بقدر وسعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لئے مجبور ہیں۔ تعلیم یافتہ خواتین دیکھیں کہ عورتوں پر جو ناجائز مظالم ہو رہے ہیں آیا ان کا انسداد ضروری ہے یا پردے اور بے پردگی کی بحث زیادہ ضروری ہے۔ کھلم کھلا شریعت کی خلاف ورزی کی جا رہی ہے۔ ان کا انسداد ہر عورت اپنے گھر میں کرسکتی ہے لاکھوں تعداد میں بیوائیں عقد ثانی بغیر زندہ درگور ہو رہی ہیں۔ معصوم کنواریاں جائداد کے ورثہ میں چلے جانے کے خیال سے عمر بھر شادی سے روکے رکھی جاتی ہیں۔ جاہل اور اجڈ شوہر بے درد ساس نندوں کی ایذارسانی سے تنگ آکر جانیں دے دینے کو ترجیح

دیتی ہیں۔

چند عورتوں کا بی اے کی ڈگری حاصل کر لینا یا انگریزی فیشن کا لباس پہنکر بے پردہ ہو جانا ہی تہذیب و ترقی نہیں ہے۔ جس کے لئے ایک ہنگامہ بپا ہے۔ اور جیسے بعض گمراہ افراد اور صحیفہ نگار اپنی بحوں کی صورت میں پیش کر رہے ہیں۔ ان کا فرض ہے کہ مسلم خواتین کے شایان شان اسلامی اصلاحات کی آوازیں بلند کریں۔ کتاب اللہ کا علم ان کے اندر عام کرنے کی کوشش کی جائے۔ جس میں ان کی اور ان کے ساتھ ساری دنیا کی نجات ہے۔ ضرورت ہے کہ سیلاب کا رخ دوسری طرف پھیر دیا جائے۔ اور خواتین اسلام جائز اسلامی حقوق کا مطالبہ شروع کر کے لاطائل مباحث کا خاتمہ کر دیں

روزہ

خواتینِ اسلام اس باب میں مردوں سے نسبتاً فخر و مباہات کی زیادہ مستحق ہیں کہ وہ ماہ رمضان المبارک کے روزوں کی بڑی سختی کے ساتھ پابند ہوتی ہیں۔ ہر مقام پر ان کی خوش اعتقادی کا درجہ اس سلسلے میں بہت بلند پایا جاتا ہے۔ باوجودیکہ زیادہ تر اپنے گھر کا انتظام بھی انہیں کو انجام دینا ہوتا ہے۔ گرمیوں کا موسم ہے۔ آسمان سے دھوپ برس رہی ہے مگر یہ خدا کی بندیاں بھوک اور پیاس کی شدت میں مبتلا ہیں پھر بھی باورچیخانہ کا انتظام کر رہی ہیں بسا اوقات خود بھی چولھے کے سامنے بیٹھ جاتی ہیں۔ افطاری کھانے اور سحری کے لئے چیزیں تیار کرتی ہیں مسلمان کا ہر گھر نسبتاً دوسرے دنوں کے رمضان شریف میں کھانے پکانے کا زیادہ بندوبست کرتا ہے اس لئے عورتوں کی مشغولیت بھی بڑھ جاتی ہے۔

تاہم ایک امر ایسا بھی ہے جس میں عزیز مرد و زن دونوں ہی ایام میں سب سے عزیز اور مقدس ترین کے معاملے میں بہت پیچھے نظر آتی ہیں اور آج میں اسی امر میں ان کو مخاطب کرتا اور توجہ دلانا چاہتا ہوں یہی ماہ رمضان المبارک ہے جس میں قرآن پاک نازل ہوا۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ہدیً للناس وبینٰت من الہدیٰ والفرقان۔ ظاہر ہے کہ اگر قرآن مجید نہ نازل ہوا ہوتا تو ہم لوگ رمضان المبارک سے ہی واقف نہ ہوئے ہوتے۔ لہٰذا کتاب اللہ شریف کی عظمت گویا ماہ رمضان المبارک کی اصلی حقیقت ہی۔ ان دنوں میں قرآن مجید کو خود پڑھنا اور دوسروں سے پڑھوا کر سننا روح کو جلا اور انسانیت کی ارتقا ہے۔ اسی لئے ہمارے پیارے پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ آلہ واصحابہ وسلم کی اس ماہ مبارک میں کلام اللہ شریف کی طرف رغبت کا بڑھ جانا ثابت ہی خصوصاً سال

رحلت میں تو آپ نے اس مہینے کے اندر دو ختم قرآن سنا۔

مسلمان عموماً اس ماہِ مبارک میں قرآن مجید کی تلاوت اور سماعت کی طرف زیادہ متوجہ ہو جاتے ہیں تراویح ایک خاص چیز ہے۔ جو مسلمانوں کے اندر آپ اپنی مثال ہے۔ کوئی قوم اس کا جواب نہیں پیش کر سکتی۔ مگر چونکہ عورتیں مسجدوں میں جماعت میں شریک نہیں ہو سکتیں اس لئے تراویح کی برکتوں سے محروم رہتی ہیں۔ لہذا اس کا نعم البدل سوچنے کی ضرورت ہے۔ سوچنے کا لفظ اس لئے استعمال کیا گیا کہ بدقسمتی سے اس کی ضرورت پیش آگئی ہے ورنہ یہ سامنے کی بات ہے کہ جو عمل مردوں کا مسجدوں میں ہے وہی عورتوں کا گھر میں ہو سکتا ہے ہر محلے میں اس کا انتظام کیا جا سکتا ہے کہ کسی ایک کے یہاں تراویح کا انتظام ہو۔ قرآن مجید کی سنانے والی کوئی نیک بی بی کو مقرر کیا جائے جو حافظ بھی ہوں اور اسی طریقے پر ختم قرآن عورتیں بھی کریں جس طرح مرد کیا کرتے ہیں۔ مگر اس میں ایک اضافہ کی بھی ضرورت ہے جو ان کے علاوہ مردوں کے لئے بھی ضروری ہے یعنی ہر شب جس قدر قرآن شریف پڑھا جائے اس کے مطالب و مسائل سے بھی ساتھ ہی ساتھ بہرہ حاصل ہوتا جائے مہینے کے تیس دن ہوتے ہیں اگر پاری سوا پارہ ہر روز اسی طرح بیان کئے جاتے رہیں تو ایک سنت کی ادائیگی کے علاوہ معلومات کا اچھا خاصہ ذخیرہ جمع ہو جائے۔ در اصل تراویح کا فلسفہ بھی یہی

بہر حال ہم خواتینِ اسلام کو آج اس بات کی طرف متوجہ کرتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر جس طرح مردوں سے کم نہیں اسی طرح قرآن مجید کی حقیقی تلاوت میں بھی کسی سے پیچھے نہ

بحث و مباحثہ

جب کسی چیز کا صحیح مصرف بننا نہیں آتا تو پھر جو کچھ اس کا حال کیا جاتا ہے وہ عقل والوں سے پوشیدہ نہیں۔ چونکہ مسلمانوں کا مطمح نظر ایک نہیں باقی رہا اس لئے قرآن کا بھی انھوں نے عجیب حال بنا رکھا ہے اور اس مرض میں عوام نہیں بلکہ خواص زیادہ تر مبتلا ہیں۔ اوسط درجے کے لوگ جن کو کہا جاتا ہے کبھی کبھی وہ بھی الجھ جاتے ہیں مگر جن کا شمار خواص میں ہے اور جو خود بھی اپنے کو خاص ہی سمجھنے پر مجبور کرتے ہیں وہ بے طرح بحث و مباحثہ کا شکار ہو رہے ہیں۔ قرآن مجید بحث و مباحثہ کی چیز نہیں وہ تو علم و عمل کے لئے ہے اگر اس کا ذکر چھیڑا بھی جائے تو اس غرض سے کہ کسی نتیجہ تک پہنچا جائیگا معلومات میں اضافہ ہوگا آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا ہوگا عمل کے لئے کوئی تازہ جذبہ موجزن ہوگا۔ مگر لبا اوقات دیکھا گیا ہے کہ مدعیان علم کی مجلسوں میں اس کا تو نام و نشان تک نہیں ہوتا بلکہ برعکس اس کے ذاتیات کی نوبت پہنچ جاتی شکر رنجی ہو جاتی۔ ایک دوسرے کی تنقیص پر اتر آتا ہے اور نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جب آئے تھے اس سے بہتر تھے جیسا کہ جاتے وقت پھر ہمیشہ کیلئے ایک طرح کی شکایت باقی رہ جاتی اور دلوں میں ایک برا خیال اپنا گھر کر لیتا ہے۔

بحث و مباحثہ کا اس رنگ میں فائدہ ناممکن ہے۔ مگر افسوس ہے کہ یاران علم کا شب و روز اسی میں گزر رہا ہے۔ ضرورت ہے کہ بے کار بحث و مباحثہ میں وقت گزارنے والے اس سے پرہیز کریں اور قرآن سے قرآن کا مصرف لیں۔

سب سے نام خدا کا پیارا

قمری سرو پہ گاتی ہے
کوئل کوک لگاتی ہے

بلبل نغمہ سناتی ہے
اپنا رنگ جماتی ہے

ہر سو سے صدا یہ آتی ہے
سب سے نام خدا کا پیارا

پھول مہک کر کہتے ہیں
تارے چمک کر کہتے ہیں

غنچے چٹک کر کہتے ہیں
موتی دمک کر کہتے ہیں

ہر سو سے صدا یہ آتی ہے
سب سے نام خدا کا پیارا

گنگ و جمن کے پانی میں
قوموں کی ہی کہانی میں

دجلہ کی ہے روانی میں
اپنی شیریں بیانی میں

ہر سو سے صدا یہ آتی ہے
سب سے نام خدا کا پیارا

تلاوتِ قرآن

ہر کتاب کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ وہ پڑھی جائے اور اس پر عمل کیا جائے اس لیے قرآن مجید کے نازل ہونیکا بھی یہی مدعا ہے۔ اور خدا نے قرآن مجید کو اسی لیے بھیجا ہے کہ انسان قرآن مجید کو پڑھکر اس پر عمل کرنے کے لائق بنے۔

جس طرح قرآن مجید انسان بنانیوالی کتاب ہے اسی طرح بغیر اس کے کوئی پکا مسلمان بھی نہیں ہو سکتا بہرحال ہر مسلمان پر قرآن پاک کی تلاوت لازمی ہے بغیر اس کے جانے اور بغیر اس پر عمل کئے پکا مسلمان بننا ناممکن ہے مسلمان قرآن مجید کی تلاوت کو تواب سمجھکر انجام دیتے ہیں لیکن اس کے عظیم الشان اور اصلی فائدے سے محروم رہتے ہیں کیونکہ ان کی تلاوت قرآن پاک کے بتلائے ہوئے اصول اور طریقہ پر نہیں ہوتی۔ انکی مروجہ تلاوت ایسی ہے جسکو نہ تو اللہ تعالیٰ نے کہا ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی تلاوت کی تعلیم فرمائی بے معنی و مطلب کی تلاوت تو سب سے فضول ہے۔ اس اختراع کا نامبارک سہرا معلوم نہیں کب سے مسلمانوں کے سر بندھا۔ اگر اس کا سبب زبان کی غیریت ہی تو یہ کوئی ایسی بات نہیں۔ آخر انگریزی زبان بھی تو سات سمندر پار کی زبان ہے جس کے لئے خون پانی ایک کر دیا جاتا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ ایک مسلمان کو جو لگاؤ عربی سے ہو سکتا ہے وہ کسی اور زبان سے نہیں۔ مگر کون ہے کہ اس محکوم بنانے والی انگریزی زبان کو بے معنی پڑھتا ہو یا بائیبل جو عیسائیت کا سبق دینے والی ہے مسلمان بچے مشنریوں کے قائم کردہ اسکول و کالج میں اکثر لازمی طور پر معنی و مطلب کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ شہروں اور دیہات میں آپ

چلے جائیے اور دیکھئے کہ ہمسایہ قوم کی افراد تیلی تنبولی اور بنئے اپنے اپنے کاروبار سے فرصت کر کے شب کے گیارہ بارہ بجے تک جھرمٹ باندھے حلقہ کئے بیچ میں مٹی کا ٹمٹماتا ہوا چراغ رکھے تلسی داس کی لکھی ہوئی رامائن کو باآواز بلند پڑھتے رہتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ ارتھ بھی لگاتے جاتے ہیں۔ ایسا ہی گیتا اور مہابھارت کا پارٹھ پنڈت جی بچارتے ہیں اور حاضرین کو معنی و مطلب سے آگاہ کرتے جاتے ہیں کبھی کبھی یہ پارٹھ برس یا چھ ماہ میں ختم ہوتا ہے اور تھلکے مانند کاروباری اور کاشتکار دور دور سے التزامی طور پر آکر شریک ہوتے ہیں اور اپنی مذہبی روایات سے واقف ہوتے ہیں۔

ہمارے یہاں بہت کم ایسی مجلسیں ہوتی ہیں اور اگر شاذ و نادر ہوتی بھی ہیں تو امراء شرکت سے گریز کرتے ہیں اور غربا کو کانوں کان خبر تک نہیں ہوتی۔ سال میں ایک مرتبہ تراویح نہایت اچھی چیز ہے لیکن ہی بے معنی اور بے مطلب کی۔

گرجا میں ہفتہ عیسائیوں کے یہاں نماز ہوتی ہے اس میں بھی پادری انجیل مقدس باآواز بلند پڑھتا ہے اور معنی و مطلب سے آگاہ کرتا ہے۔ جیسے منتر میں جس کو خاص خاص لوں میں خاص طور پر پڑھا جاتا ہے۔ کاش مسلمان بھی جمعہ کا خطبہ ایسا ہی دیتے۔ شہروں اور دیہاتوں میں اسی طرح کا انتظام کرتے۔

اللہ کا فرمان دنیا کی کسی ایک ہی زبان میں نازل ہو سکتا تھا۔ اس لئے یہ عذر کسی صورت میں قابل قبول نہیں کہ قرآن پاک عربی زبان میں کیوں ہے عربی زبان میں ہے اور رہی میں آنا چاہئے تھا لیکن لوگوں کو اپنی اپنی زبان میں اس کو سیکھنے سے کس چیز نے روکا ہے عوام کے لئے صرف و نحو کی حرف شناسی اور عبارت خوانی کی بھی ضرورت نہیں ہے جس طرح ایک ٹھیٹھ گنوار اور قلی مزدور کے پاس کسی زبان کا خط یا انگریزی زبان کا تار آجاتا ہے تو کیا وہ کسی دوسرے سے پڑھوا کر نفس مطلب سے واقف نہیں ہو لیتا اور پھر اس کے بعد اپنے گھر والوں

کو بھی اس خبر سے آگاہ کرنے کے لائق نہیں ہو جاتا۔ ایسی جاہل سنتا ہی سمجھتا ہی اور پھر عمل بھی کرتا ہے اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ اس خط او تار سے واقف نہیں ہو سکا۔ اسی طرح کوئی انسان ایسا نہیں جو اپنے پیدا کرنیوالے کے اس ضروری خط اشد ضروری تار اور نہایت ضروری فرمان مقدس سے آگاہ نہ ہو سکے۔

علمائے اسلام، مدارس کے طلباء، امام مساجد اور پڑھے لکھے لوگ اگر توجہ کریں تو یہ کام بالکل آسان ہو جائے اور منشاء خداوندی کی تکمیل ہو کر رہی لیکن جو لوگ کچھ پڑھے لکھے ہیں ان کے لئے تو یہ عذر بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ دوسروں کے محتاج ہیں بلکہ اردو ترجمے اور تفسیریں ان کی رہنمائی کے لئے کافی ہیں۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہی کہ عوام اگر قرآن مجید کو معنی و مطلب کے ساتھ پڑھیں گے تو گمراہ ہو جائینگے وہ ایسا کہتے اور سمجھتے ہیں معذور ہیں اُن کو تو صرف نحو وغیرہ وغیرہ کے بعد بھی گمراہی کے سوا دوسرا کچھ نصیب نہیں ہوا۔ اوّل تو قرآن مجید سے ہی دریافت کیا جائے کہ وہ عوام کیلئے بھی ہی یا صرف خواص کیلئے۔ دوسرے یہ کہ جو چیز ہدایت کے لئے آئی ہو اُس سے ہدایت خواہ ہدایت ہی حاصل کریگا ورنہ بات بے معنی ہو گی۔ تیسرے یہ کہ خدا کا بندہ بنکر خدا کے فرمان کو بجا لانے کے لئے قرآن مجید اگر پڑھا جائیگا تو ناممکن ہی کہ عوام کے عقائد خراب ہوں یہ تو قرآن مجید کی کسر شان ہی اور ایسا معلوم ہوتا ہی کہ یہ لاگ قرآن مجید میں خامی کے قائل ہیں اور ڈرتے ہیں کہ عوام اس کو نہ پڑھنے پائیں ورنہ گمراہ ہو جائیں گے۔

تلاوت کا ایک غلط مفہوم اور بھی رائج ہو گیا ہے۔ لوگ اپنے پڑھنے اور اپنے سننے کو ہی تلاوت سمجھنے لگ گئے ہیں۔ حالانکہ قرآن مجید میں تلاوت کا مفہوم بہت وسیع ہے۔ وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ نُوحٍ اور اے پیغمبر ان لوگوں کو نوح کا حال پڑھکر سناؤ۔ وَإِذَا تُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا اور اے پیغمبر جب ان کو ہماری آیتیں

پڑھکر سنائی جاتی ہیں۔ نَتْلُوا عَلَيْكَ مِنْ نَّبَاِ مُوْسٰى وَ فِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ لِقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ اے پیغمبر ہم ان لوگوں کے فائدے کے لیے جو یقین کرتے ہیں موسیٰ اور فرعون کے بعض واقعی حالات تم کو سناتے ہیں۔ اُتْلُ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ۔ اے پیغمبر کتاب جو تمہاری طرف وحی کی گئی ہے اس کی تلاوت کرتے رہو۔ یا اور اسی قسم کی سینکڑوں آیتیں ہیں جن سے تلاوت کا وسیع مفہوم سمجھ میں آسکتا ہے۔

ظاہر ہے کہ آنحضرت صلعم شب و روز مختلف طریقوں سے لوگوں کو قرآن پاک سے واقف فرماتے تھے اور اسی کو آپ سے کہا جا رہا ہے۔ اسی طرح پڑھنے کا مطلب بھی بہت وسعت رکھتا ہے۔ ارشاد ہے قُرْاٰنًا فَرَقْنٰهُ لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ اور قرآن کو ہم نے ٹکڑے ٹکڑے کرکے اس لئے اتارا تاکہ تم لوگوں کو سناؤ۔ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۔ اور اے پیغمبر جب تم قرآن پڑھتے ہوتے ہو تو ہم تم میں اور اُن لوگوں میں جن کو آخرت کا یقین نہیں ایک بھاری پردہ کر دیتے ہیں اگر گھر پر ایک شخص تلاوت کرتا ہے تو اس کو لازم ہے کہ اتنی دیر کے لئے ہر فرد کو اپنے پاس جمع کر لے۔ نوکر چاکر، دادا، ماما، مسلم غیر مسلم غرض جو بھی ہوں اُس وقت تک کوئی کام نہ کریں۔ تلاوت کرنے والا ایسی تلاوت کرے جس کا مقصود حاضرین کو فائدہ پہنچانا ہو۔ ان کو معلوم ہو جائے کہ اُن کا پیدا کرنیوالا ان سے کیا کہہ رہا ہے، حرام و حلال، امر و نواہی وغیرہ کو وہ اچھی طرح سمجھ لیں۔ یہ ہے گھر کی تلاوت۔ اور اگر ایسا نہیں کیا گیا تو ظاہر ہے کہ غریب نوکر چاکر محجوب ہیں اور اس کی جوابدہی احکم الحاکمین خدا کے دربار میں صاحب خانہ کے ہی سر ہوگی۔ اسی طرح سفر و حضر میں ایسی تلاوت کی جاسکتی ہے کہ راہ گیر و ہم سفر مستفید ہوسکیں۔ عورتوں کیلئے ہے۔ وَاذْكُرْنَ مَا يُتْلٰى فِيْ بُيُوْتِكُنَّ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ۔ تمہارے گھروں میں جو اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو

سامعین کیلئے علم ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ اور جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنا کرو اور خاموش ہو جایا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

قرآن پاک اپنی تلاوت کو غور و فکر کے ساتھ کہتا ہے اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تلاوت کرنے والا علم و حکمت کی باتوں سے مالا مال ہو۔ تدبر۔ تفکر۔ تعقل وغیرہ کی ہر جگہ تاکید فرماتا ہے۔ اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ۔ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۔ قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ۔ ظاہر ہے کہ اس کا مطلب اس کے سوا اور کچھ بھی نہیں کہ قرآن پاک سمجھکر غور و فکر کے ساتھ پڑھا جائے جو بے معنی و مطلب کی تلاوت سے ہرگز پورا نہیں ہو سکتا۔ عبرت، نصیحت، تہدید، ترہیب اور بشارت کا اثر اور فائدہ اسی وقت ممکن ہے جب کہ تلاوت کرنے والا ان سے واقف ہو جائے۔

قرآن مجید کی تلاوت کرنیوالا اللہ بزرگ و برتر سے ہمکلام ہوتا ہے اسلئے اس کا بڑا مرتبہ ہے۔ ارشاد ہے۔ فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا ۔ پھر قسم ہے قرآن پڑھنے والوں کی حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ وَاللّٰهِ لَقَدْ تَجَلَّى اللّٰهُ بِعِبَادِهٖ فِی الْقُرْاٰنِ وَلٰكِنَّهُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ۔ خدا کی قسم حق تعالیٰ اپنے خاص بندوں پر تلاوت قرآن کے وقت تجلی فرماتا ہے لیکن ان کو معلوم نہیں ہوتا۔

کتاب تمہیدات میں ہے۔ اگر قرآن پڑھنے والا صفت سے موصوف کی طرف جائے تو کلام حق کے انوار اس پر متجلی ہوں۔ صفت سے موصوف کی طرف جانا یہ ہے کہ تلاوت کیوقت یہ فکر کرے کہ کیا حکم ہوتا ہے۔ کس چیز کی ترغیب دی جا رہی ہے اور کس چیز سے ڈرایا جا رہا ہے۔ پھر اس فرمانے والے کی صفات بعد ذات خاص میں فکر کرے، اور اللہ تعالیٰ کیسے ایسا فرماتے ہیں اور ان چیزوں سے منع کرتے ہیں۔ ایسی تلاوت در پردہ محبوب کا کلام سننا ہے اور رفتہ رفتہ بے پردہ کی نوبت آجاتی ہے۔

مومن کی تلاوت کی شان میں ارشاد ہی۔ وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ وَاِذَا تُلِیَتْ عَلَیْھِمْ اٰیٰتُنَا زَادَتْھُمْ اِیْمَانًا اور کیوں نہ ہو ایک کلام دلگداز دوسرے کلام کا سننا اور کلام کرنیوالے کو نہ دیکھنا یقیناً کثرت سے اسباب ہیں جن کی بنا پر رونگٹوں کا کھڑے ہوجانا اور روح کا بیچین ہوکر آنسوؤں سے ثبوت دیتا ہی۔

آداب تلاوت کے بعد ترتیل ہی۔ ٹھیر ٹھیر کر پڑھنے سے قرآن کی سمجھنے میں مدد ملتی ہی اور سنوار کر پڑھنے سے کلام کا اثر ظاہر ہوتا ہی۔ وَرَتِّلِ الْقُرْاٰنَ تَرْتِیْلًا ○ اور قرآن کو خوب ٹھیر ٹھیر کر پڑھا کرو حسنِ صوت بھی ضروری ہے کیونکہ حضرت داؤد علیہ السلام کا معجزہ بھی قرآن مجید میں موجود ہے۔

خضوع وخشوع سے تلاوت کرنیوالوں کا عالم ہی کچھ اور ہوتا ہی اِذَا تُتْلٰی عَلَیْھِمْ یَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا اور یہی وہ تلاوت کرنے والے ہیں۔ جن کے لئے اللہ تعالیٰ کی ساری نعمتیں اور ساری بشارتیں ہیں وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِیْنَ اَلَّذِیْنَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَجِلَتْ قُلُوْبُھُمْ۔ اور اے محمدؐ عاجزی کرنے والوں کو خوشخبری دو یہ وہ لوگ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں۔

والیِ دکن اور قرآن

خدائے بزرگ وبرتر کا آخری آسمانی پیغام قرآن مقدس آج بھی دنیا کا سب سے بڑا معجزہ اور قدرت کا سب سے زیادہ نادر او خوبصورت تحفہ ہی۔ فطرت نے اپنی اس بےمثل اور بیارے عطیے میں ایسی لذتیں بھردی ہیں جن کی بہشتی چاشنی کی تعریف ناممکن ہی اس کے گوناگوں اوصاف سے دفتر بھرے پڑے ہیں اور کوئی نہیں جو اس کے ایک کلمے کی بھی کماحقہٗ توصیف ادا کرسکے۔ قُلْ لَّوْ کَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّکَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ کَلِمٰتُ رَبِّیْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِہٖ مَدَدًا۔

جب ایک کلمہ کے متعلق یہ عالم ہو تو دلوں سے شک و ریب کی بیماریوں کو دور ...
دعوی کے سوا ذات باری کے دوسرا کون ہے جو ثبوت دے؟ ان کنتم فی ریب مما
نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم
من دون اللہ ان کنتم صدقین ۔ اللہ اللہ اس کے باوجود بھی حق سے
انکار اور بے پروائی کتنی بڑی نامرادی اور انسانی معصومیت کا کیسا خطرناک مظاہرہ ہے
اس حق کے بعد نوع انسان کے کسی فرد کا کسی دوسرے حق کی تلاش میں سرگرداں ہونا دیدہ
و دانستہ کتنی بڑی لعنت اور تباہی ہے وَمَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلَال ۔ ایک طرف تو
علوم تربیت کا یہ حال اور دوسری طرف ایسی عمومیت کہ جاہل سے جاہل اور وحشی سے وحشی
انسان بھی یہ نہ کہہ سکے کہ اسے تشنہ اور محروم چھوڑ گیا ہے۔ وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ فَھَلْ
مِنْ مُّدَّکِر ۔

غیر اقوام کے بہترین دل و دماغ نے بھی جس چیز کے سامنے اپنے عجز کا اعلانیہ اظہار کیا ہے
وہ صرف ایک ہی کتاب ہے۔ جارج سیل صاحب فرماتے ہیں "کسی انسان کا قلم ایسی معجزانہ کتاب
نہیں لکھ سکتا"۔ ڈاکٹر موریس فرانسیسی کا قول ہے "مقاصد کی خوبی اور مطالب کی خوش اسلوبی
کے اعتبار سے قرآن کو تمام آسمانی کتابوں پر فوقیت ہے" ریورنڈ میکسویل کنگ کہتے ہیں "اس
لحاظ سے اسلام کو عیسائیت پر فوقیت ہے کہ اس کی مذہبی تعلیم اور قانون علیحدہ چیزیں نہیں ہیں"
پروفیسر کارلائل کا مقولہ ہے کہ "میرے نزدیک قرآن میں خلوص اور سچائی کا وصف ہر پہلو سے
موجود ہے سچ ہے اگر کوئی خوبی پیدا ہو سکتی ہے تو اسی سے ہو سکتی ہے"۔ اسی طرح نیکلسن کا مذہبی بزرگان تک

اگرچہ کرہ ارض آج مادیت کی مسموم فضا میں گھرا ہوا ہے۔ تاہم جب کبھی انسانیت
اطمینان کا سانس لینا چاہے گی تو اسے قرآن کو اختیار کرنا ہوگا۔ درس گاہ عالم میں نوع انسان
کے لئے ان کے پیدا کرنے والے کی طرف سے ایک ہی دستور العمل ہے جس میں ان کے پیدا ہونے کی غرض

غایت بتلائی گئی ہے اور مجموعی طور پر ان کو ہی علم و عمل کی دعوت دیگئی ہے۔ ان ھو الا ذکر للعالمین۔ یہ حقیقی ہادی اور سچا رہنما ہے ایسا کہ جو منزلِ مقصود تک پہنچا دینے کا حتمی وعدہ کرتا ہے ان الذی فرض علیک القرآن لرادک الی معاد۔ دنیا قرآنی دنیا ہونے کیلئے بیقرار ہے قرآن پاک کا صحیح معنوں میں علم و عمل درکار ہے صرف ایسی مبارک ہستیوں کی ضرورت ہے جو اس اہم اور ضروری فرض کو انجام دینے کیلئے وقف ہو جائیں۔

فرمانفرمائے مملکتِ آصفیہ اعلیحضرت میر عثمان علیخاں بہادر خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کی ذات میں جہاں اور اوصاف ہیں ان میں سب سے زیادہ اہم اور مبارک وصف وہ ہے جو اب تک خیالی دنیا میں نہیں آیا اور مسلمانانِ عالم جس کو سن کر بہت مسرور ہوں گے۔

جن لوگوں کو کبھی ایسی مجلسوں میں شرکت کا موقع ملا ہے جس میں موجودہ والیٔ دکن بھی تشریف فرما ہوئے ہیں اور وہاں قرآن مجید کی تلاوت کی گئی ہو تو ان کی آنکھوں نے یہ مبارک منظر دیکھا ہوگا کہ یہ فقیر دل بادشاہ اور قرونِ اولیٰ کی یاد دلانیوالی ہستی کلام ربانی کی تلاوت کے وقت کن خاص حالات اور نورانی اثرات سے متاثر پائی جاتی ہے۔ خدا کا کیف آور کلام میر عثمان علیخان کو کیسا کیف بنا دیتا ہے۔ عزت و جلال والے خدا کا باعظمت کلام جس کی شان میں لو انزلنا ھذا القرآن علی جبل لرایتہ خاشعا متصدعا من خشیۃ اللہ وارد ہے انکو کیسا خاشع اور متواضع بنا دیتا ہے۔

ہر جمعہ کو بالکل سادہ اور اسلامی شان کے ساتھ نماز جمعہ کے لیے آپ باغ عامہ کی مسجد میں مع شہزادگان کے ضرور تشریف فرما ہوتے ہیں اور بعد نماز بالالتزام قرآن پاک کی تلاوت مسموع فرماتے ہیں۔ اس وقت چہرے کی رنگت کا آثار چڑھاؤ، عالمِ وجد میں بار بار والہانہ انداز میں سبحان اللہ، سبحان اللہ، فرمانا اور زانو پر ہاتھ دیدی مارنا ایک ایسا سماں ہوتا ہے جو مومن قلب پر خاص اثر کرتا ہے اور بیساختہ اس آیت شریف کی یاد دلاتا ہے۔ واذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم

ہماری یہی دعا ہے کہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی پیروی میں میر عثمان علی خان کی ذات سے قرآن مجید کی کوئی ایسی خدمت انجام پائے جو آپ اپنی مثال ہو۔

رہبر۔ منزل۔ مقصود

مجموعی حیثیت سے آج نہ مسلمانوں کا کوئی مُسلّمہ رہبر ہے نہ طے شدہ منزل اور نہ منتہائے مقصود۔ ایک شخص نے خوب کہا تھا کہ ان کے لیڈر وں کی مثال ایسی ہے جیسے کٹا ہوا پتنگ۔ یہ اُس قوم کے خواص کا ذکر ہے جن کے عوام کو بھی خدا نے یہ برتری بخشی تھی کہ وہ قوموں کی رہنمائی کریں۔

مسلمانوں کا رہبر قرآن مجید ہے جو دینی ان کی منزل دین و دنیا کی کامیابی روئے زمین پر حکومت اور اقوام عالم کی رہبری طے شدہ چیز ہے اور منتہائے مقصود عبدیت الٰہی اور محبت الٰہی کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔

تعجب کا مقام ہے اور حیرت کی بات ہے کہ مسلمان نادار کیوں ہو گیا۔ کاسہ لیسی اس نے کیوں اختیار کی۔ قوموں کے سامنے عاجزانہ گھٹنے ٹیکنے کی لعنت اس کے گلے کیوں پڑی۔ یہ کہتا اپنے کو مسلمان ہے۔ خدا والا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے۔ محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت میں ہونے کا فخر کرتا ہے۔ اپنے کو قرآن مجید والی قوم شمار کرتا ہے اور پھر نہ اس کا کوئی رہبر ہے نہ طے شدہ منزل اور نہ منتہائے مقصود۔

آج مسلمانوں کا یہ حال ہے کہ کبھی تو یہ غیر قوموں کی تقلید کی طرف دوڑتے ہیں کبھی مذہب کا نام لیتے ہیں کبھی اپنی خواہشات کا شکار ہوتے ہیں اور کبھی ہاتھ پر ہاتھ دھرے کر بیٹھے رہتے ہیں اور بسا اوقات یہ بھی کرتے ہیں کہ لاطائل مباحث اور ذلیل فرقہ بندیوں وغیرہ کی معصیت میں گرفتار نظر آتے ہیں۔ مگر ان سب کا ایک ہی سبب ہے کہ قرآن مجید کی تعلیمات سے محروم ہو گئے ہیں۔ قرآن مجید رہبر بھی ہے راستہ بھی ہے منزل بھی ہے مقصود بھی یہ جب تک اس سے

اعتراض کرنا نہیں چھوڑیں گے مغلوب بھی رہیں گے اور گمراہ بھی۔

قرآن کو قرآن کیلئے پڑھو

مسلمانوں کے تنزل اور اُن کی فرقہ بندیوں کا اصلی سبب یہ ہے کہ قرآن پاک ان کے اندر معنی و مطلب کے ساتھ عام اور لازمی نہیں انہوں نے قرآن کو قرآن کے لئے پڑھنا پڑھانا چھوڑ دیا ہے اس کا ثبوت خود ان کا تنزل و اُن کی فرقہ بندیاں ہیں۔ مثلاً حنفی کی کوشش ہوتی ہے کہ جو مسئلہ بھی قرآن پاک سے مستنبط ہو وہ شیعوں کے خلاف ہو۔ اسی طرح شیعی یہ چاہتے ہیں کہ سارا قرآن ان کے مطلب کا ہو جائے! اہلحدیث اور [redacted] کا بھی یہی حال ہے ان کی تمامتر کوشش بھی یہی ہوتی ہے کہ آیات ربانی کا ہر ہر لفظ ان کی تائید میں ہو اس کا یہ مطلب ہے کہ قرآن پاک ان کے مطلب کا ہو جائے دوسرے لفظوں میں گویا ان کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ کتاب اللہ شریف حنفی بن جائے، شیعی ہو جائے اہلحدیث ہونے کا اقرار کر لے اور قادیانی ہونے کا ڈنکا بجانے لگے یعنی اگر یہ حنفی ہیں تو خدا بھی حنفی بن جائے اہلحدیث ہونے کی وحی بھیجدے اور قادیانیت کا الہام کر دے۔ نعوذ باللہ۔

چھپے چھپے ان کا یہ چاہنا ہے کہ یہ حکم نہیں خدا محکوم۔ کیونکہ قرآن مجید کو اپنے رنگ کا بنانے کی کوشش کرنیکا اس کے سوا دوسرا اور کیا مطلب ہو سکتا ہے۔ اللھم احفظنا من کل بلاء۔

فرقہ والوں کی انجمنیں، اخبارات، رسائل، مدرسے وغیرہ سب علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔

تبلیغی فرض تبلیغی فنڈ کا الگ الگ مصرف ہوتا ہے۔ جس کا مدرسہ ہے اسی رنگ میں جس کا اخبار ہے اسی ڈھنگ میں جس کی تالیف و تصنیف ہے اسی ڈھنگ میں بلکہ خود قرآن حکیم کی تفسیر و ترجمہ بھی انہیں کی خواہشوں کے تابع ہوتا ہے۔

کتنا نامبارک وہ مناظرہ ہوتا ہے جب کہ ایک فریق ایک آیت اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کرتا ہے اور فریق ثانی پھر کسی دوسری آیت کو اس کے رد اور جواب کے لئے تلاش کر کے لاتا ہے۔

اور یہ بھی ہوتا ہے کہ فریق مقابل کی ہی آیت کو کوشش کر کے دوسرے معنے سے آراستہ کر دیا جاتا ہے جو سراسر فریق مقابل کے بیان کردہ معنی کے خلاف ہو۔

ترسم نرسی بہ کعبہ ای اعرابی   کیں رہ کہ تو میروی بترکستان

اگر قرآن کو قرآن کیلئے پڑھا جائے تو یہ جو کچھ بیان کیا گیا ہرگز وقوع پذیر نہ ہو تنزل تو سرے سے یوں دور ہو جائے کہ قرآن اپنے پیروؤں کو دین و دنیا دونوں کے حصول کی تاکید کرتا ہے اور اس بات کو لازم قرار دیتا ہے کہ دین حق تمام دینوں پر غالب ہے جس کا صاف صریح مطلب یہی ہو سکتا ہے کہ پھر مسلمان دنیا کی ساری قوموں پر غالب اور حکمران رہیں۔

فرقہ بندیوں کا ازالہ سب سے پہلی چیز ہے ایک خدا کا کلام ایک ہی معنی و مطلب کا حامل ہو سکتا ہے اور یہ سب کچھ ایک ہی کرنے کے لئے ہو سکتا ہے۔ پھر اگر ہم کہیں کہ کئی مخالف معنی کے در پے ہو کر فرقوں میں تقسیم ہو گئے ہیں تو ماننا پڑے گا کہ یہ ہمارا قصور ہے۔ اور جب ہمارا قصور ہے تو پھر اس پر چپ بیٹھے رہنا کیسا اس کو تو سب سے پہلے مٹانا ہے۔ فرقہ بندیوں کی زندگی کسی طرح بھی گزارنی مناسب نہیں ورنہ لا تفرقوا کی وعید میں ہر ایک فرقہ مبتلا ہو گا۔

حق ایک ہی ہو سکتا ہے اس لئے اس وقت تک کوئی کام نہیں کرنا چاہیے جب تک ہم ایک نہ ہو لیں۔ ہر فرقہ اپنے کو قصور وار گردانے اور اس کو مٹانے کے درپے ہو پھر ظاہر ہے کہ ایک ہونا کچھ مشکل نہیں۔

اسی طرح قرآن پاک بے معنی و مطلب کے ساتھ پڑھنے کو نہیں کہتا۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قانون ان کی قائم کردہ حکومت نفسوں کی عبادت اور فانی چیزوں کی محبت کو وہ سم قاتل قرار دیتا ہے۔ ساری برائیاں اسی وقت دور ہو سکتی ہیں اور سارا فائدہ اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے جبکہ قرآن کو قرآن کے لئے پڑھا جائے۔

ماہِ رمضان اور قرآن مقدس

ماہِ رمضان المبارک کو جو شرف حاصل ہی اور جو خیر و برکات اس متبرک مہینے میں برحمت بنکر برستے
ہیں وہ بیشمار ہیں اور یہ سب اس بڑی چیز کی عظمت اور یادگار میں ہے جس کا نام قرآن مقدس ہی۔
جمیع تعریفوں والے پیارے خدا کا یہ کیسا عجیب و غریب پیارا کلام ہی اُس کی دل آویزی کتنی
لطیف و پیاری ہی۔ اس کی بہشتی زبان کتنی شیریں اور کتنی صاف و ملاحت والی ہی اس کے سیاہ سیہ
نقوش میں کیسا بصیرت افروز نور ہی۔ یہ کیسا سراپا روحانیت والا پیغام ہی۔ اللہ اللہ اس کی
عظمت و تقدس خود خدائے قرآن کو بھی کس درجہ منظور ہی کہ ایک ماہ کامل تک اس کے حامل انسانوں
کو پہلے روزہ رکھکر مجسم روحانیت بننے کے بعد اس کی یادگار منانے کو کہا گیا۔
حضرت موسیٰ نبیا علیہ السلام کو بھی توریت عطا ہوتے وقت روزے رکھنے پڑے تھے
لیکن پیغمبر آخر الزماں صلعم کے ہر پیرو کو ہر سال روزہ رکھنے کا حکم ہی۔ اس ماہ مبارک میں
معلوم نہیں وہ کیسے مقدس دن ہیں جنکا پورا مہینہ ماہِ رمضان المبارک کے نام سے یاد کیا
گیا اور جسکی شان میں ارشاد ہوا۔ شہر رمضان الذی انزل فیہ القرآن
ھدیً للناس وبینٰت من الھدیٰ والفرقان فمن شھد منکم
الشھر فلیصمہ۔
قرآن مجید وہ چیز ہے جو بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے خدا کے آخری پیغام
کی صورت میں نازل ہوا۔ ارشاد ہی ان ھذہٖ تذکرۃ فمن شاءَ ذکرہٗ۔ یہ سراسر
نصیحت ہی پس جس کا جی چاہے نصیحت حاصل کرے اس میں کسی کی تخصیص نہیں۔ کالے ہوں
گورے۔ پچھم کے ہوں یا پورپ کے دکھن کے ہوں یا اتر کے مرد ہو یا عورت سب ہی کے لئے

یکساں طور پر ہاوی و نور مبین ہے۔

قوم مسلم ماہ رمضان المبارک میں روزہ رکھ کر انسانیت کے جامے میں فرشتہ صفت بن جاتی ہے مجاہدات کا یہ حال کہ دن بھر کی بھوک اور پیاس کے بعد ابھی روزہ افطار ہی کیا تھا کہ نماز مغرب کی ادائیگی شروع ہو گئی۔ دن بھر کی بھوک اور پیاس کے بعد جو سال کے گیارہ مہینے کھاپی کر بھی نہ کرنا پڑتا تھا۔ اس بھوک پیاس والے مہینے میں کرنا پڑا۔ مسجدیں ندائے قدوس کے پرستاروں سے بھر گئیں۔ کلام سے ہر بستی اور ہر محلے گونج اٹھے ابھی نیند بھر سونے بھی نہ پائے تھے کہ دو چار گھنٹوں کے بعد سحری کی برکت حاصل کرنے کے لئے جاگنا پڑا۔ ان ناشئة اللیل ھی اشد وطأ و اقوم قیلا کا ثبوت دینے لگے۔ سحری کھانے کے لئے اٹھنا تو ایک ضمنی بات ہے۔ اصل تو یہ کہ نماز تہجد کی تیاری کی جائے اور اپنے پیارے معبود سے اس کے مخلص بندے شان عبدیت میں سرگوشیاں کریں۔ ناز و نیاز کی مجلسیں سجائی جائیں اور صبح کے بہشتی منظر میں وہ دیکھا جائے جس کے دیکھنے کے بعد کچھ باقی نہیں رہ جاتا دینے والے سے وہ مانگا جائے جس کو کوئی سننے نہ پائے اور وہ چیز حاصل کی جائے جس کے سامنے کائنات کی بھی کوئی قیمت نہیں۔ دل مضطرب ہو آنکھیں اشکبار ہو زبان پر حمد و ثنا ہو اور لبوں پر کلمات شکر گزاری اور اس وقت تک یہ مجلس برخواست نہ ہو جب تک رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ کا قول پورا نہ ہو جائے اور زبان بے زبان سے یہ سننے میں آ جائے کہ الصوم لی و انا اجزی بہ۔ یعنی روزہ رکھنے کے بدلے میں جس کے نام کا روزہ رکھا گیا تھا وہ خود مل گیا۔

روزہ رکھنے کا لطف عشق و محبت والوں سے پوچھنا چاہیے جس نے کبھی کسی کی خاطر کھانا پینا ترک کر دیا ہو شب بیداری کے مزے اس آنکھ سے دریافت کرنی چاہیے جو کبھی کسی کی یاد میں اشکبار اور اور انتظار میں بیقرار رہی ہو۔

قرآن مقدس کی تلاوت کرنا اور تراویح میں قاری کی زبان سے قرآن کا سننا اس

دل ہی معلوم کرنا چاہیے کہ جس کو نامہ محبوب کے پڑھنے کی اتنی مسرت حاصل ہوتی ہو۔ بار بار خود بھی پڑھتا ہو اور قند مکرر کی لذت حاصل کرنے کیلئے دوسروں سے پڑھوا کر بھی سنتا ہو۔

قرآن مجید میں غور کرتا ہو۔ فکر کرتا ہو تعقل سے کام لیتا ہو۔ تدبر کو راہ دیتا ہو معانی پر نگاہ کرتا ہو مطلب سے آگاہ ہوتا ہو۔ پھر یہ سب اس لئے ہو کہ محبوب حقیقی کی فرمائشات کو پورا کرے احکامات کو بجا لائے اور اس کی خوشنودی حاصل کرنے کی باتوں سے اس کی مرضیات کو پورا کرے اس کے وعدہ وعید کو ذہن نشین کرے اور اس کے ملنے کی راہ سے آگاہ ہو۔

خوش قسمت ہیں وہ لوگ جو ماہ رمضان المبارک کا حق ادا کرتے ہیں اور مبارک ہیں وہ جو قرآن مجید والے اس مہینے میں حق تلاوت ادا کریں۔

حسن معاشرت

عرب جیسی گئی گزری جگہ اب سے تیرہ صدی پیشتر کیسی رشک جنت بن گئی تھی۔ بدویت مدنیت میں، جہالت علمیت میں، ظلمت نور میں، باطل حق میں، شرک و بت پرستی توحید پرستی میں، اور کفر اسلام میں کس طرح تبدیل ہو گیا تھا۔ مرد خدا پرست، عورتیں اللہ والیاں اور اولادیں صالح اور صالحہ بن گئی تھیں۔ ہر مسجد مردوں کا عبادتخانہ اور تعلیمگاہ تھی تو ہر گھر عورتوں کے لئے معبد اور مدرسۂ نسواں تھا۔ مرد جو کچھ سیکھتے تھے۔ اس کا عمل سب سے پہلے گھر سے شروع ہوتا تھا۔ در و دیوار سے قرآن مقدس کی آواز سنائی دیتی تھی۔ اور عرب کی فضاء خدائی حکومت عبدیت الٰہی اور محبت الٰہی سے معمور تھی۔

مرد تو مرد ہی تھے۔ جو یکتائی زمانہ ہو گزرے۔ مگر عورتیں جنہیں ناقص العقل کہا جاتا ہے۔ اور جن کے حقوق کے متعلق یورپ اسلام کے منہ آتا ہے وہ ایسی ایسی عقل و فہم اور علم والیاں ہوئی ہیں

جن کے کارنامے آج بھی دنیا کے لئے شمع راہ بن سکتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کی سیرت کو دعوے کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے۔ اور کہہ دیا جا سکتا ہے۔ کہ موجودہ نام نہاد ترقی کا زمانہ اور نئی روشنی کی تعلیم و تہذیب کا دور۔ ان کے مقابلے میں جس کو جی چاہے پیش کرے۔ تو معلوم ہو جائیگا۔ کہ انکی ساری تعلیم اُن کے سارے ڈپلومے اور ان کی ساری ترقی صحابیات کے سامنے ہیچ ہے۔

قرآن مقدس نے جہاں زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فرمائی۔ وہاں حسن معاشرت کے متعلق خاص التزام اور ایسے قوانین صادر فرمائے جن سے واقعی مرد و عورت کے تعلقات استوار اور ایسے خوشگوار ہو جائیں کہ جس سے دنیا ان کے لئے بہشت بن جائے۔ اسی طرح حقوق طلبی کے جو مناسب طریقے برتے گئے ہیں اور خانگی امور کی شکایتیں دور کی گئیں اور اصلاحات کا جو شیوہ اختیار کیا گیا ہے۔ اس کے خدوخال۔ احادیث اور سیر کی کتابوں میں اس لئے آج بھی جھلک رہی ہیں کہ ہم اور ہماری مستورات انہیں اپنے چہرے کے عیب و صواب کا نظارہ کر سکیں۔ اگر رنج کا پہلو بھی کبھی نکلتا ہے۔ تو دیکھو کس خوبی سے۔

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ مجھ سے رسول اللہ صلعم نے فرمایا۔ کہ تم مجھ سے خوش ہوتی ہو۔ یا ناراض ہوتی ہو۔ تو مجھے تمہاری خوشی یا ناراضگی معلوم ہو جاتی ہے۔ میں نے کہا یا رسول اللہ آپ کو کس طرح معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جب تم راضی ہوتی ہو۔ تو قسم کھاتے وقت کہتی ہو۔ لَا وَ رَبِّ مُحَمَّدٍ اور جب ناراض ہوتی ہو۔ تو کہتی ہو لَا وَ رَبِّ اِبْرَاھِیْم۔ میں نے کہا۔ ہاں یا رسول اللہ۔ بیشک آپ سچ فرماتے ہیں لیکن اللہ کی قسم میں صرف آپ کا نام چھوڑتی ہوں۔ آپ کی عظمت و محبت بدستور دل میں قائم رہتی ہے۔

زن و شوہر کے متعلق قرآن مجید نے ھُنَّ لِبَاسٌ لَّکُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّھُنَّ عورتیں مردوں کیلئے عزت و البیان ہیں اور مرد عورتوں کے لئے عزت ہیں کے زرین اصول ارشاد

فرمائے اور حدیث میں ارشاد ہوا۔ کہ خدائے تعالیٰ کے نزدیک قیامت کے دن بڑی خیانت یہ ہوگی۔ کہ میاں بی بی خلوت میں ہوں۔ پھر بعد میں ان دونوں میں سے کوئی بھی اس وقت کے حالات کا افشا کرے۔

جابر سے روایت ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمانوں کو چاہیئے۔ کہ وہ اپنی زوجہ سے ہمیشہ ناخوش نہ رہا کرے۔ اگر اس کی کوئی عادت بری معلوم ہو۔ تو دوسری کسی خصلت کو پسند بھی کرے گا

اُم سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں۔ کہ جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوات والسلام نے فرمایا۔ جو عورت مرجائے۔ اور اس کا خاوند اُس سے راضی ہو۔ وہ جنت میں داخل ہوگی۔

حکیم بن معاویہ نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ کہ ان کے والد نے اُن سے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کی۔ کہ یا رسول اللہ ہم سے ہر ایک کی زوجہ کا اُس پر کیا حق ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب خود کھانا کھائے۔ اُسے بھی کھانا کھلائے جب خود کپڑا پہنے۔ تو اس کے لئے لباس مہیا کردے۔ اور اُس کے منہ پر مارے نہیں۔ نہ اُسے بُرا کہے۔ اور نہ اپنے گھر کے سوا تنہا چھوڑے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ابن اعبد سے فرمایا۔ کہ میں تم سے ایک واقعہ بیان کروں۔ جو مجھ سے اور فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ہے۔ جو آنجناب کی بہت پیاری بیٹی تھیں۔ ابن اعبد نے عرض کی ہاں حضرت ضرور۔ بیان کیجئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا۔ یہ چکی پیسا کرتی تھیں۔ جس سے اُن کے ہاتھوں پر نشان پڑ گئے تھے۔ مشکیزہ میں پانی بھر لاتی تھیں جس کا ان کے سینہ پر نشان ظاہر تھا اور اپنے مکان میں جھاڑو دیا کرتی تھیں جس سے اُن کے کپڑے گرد آلودہ رہتے تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں کئی خدام آئے۔ تو میں نے اُن سے کہا۔ کہ اپنے والد ماجد کے

پاس جاکر ایک خادم مانگ لو۔ اس لئے آنجناب سے ایک خادم مانگنے کے لئے گئیں۔ آنجناب کے پاس بہت سے لوگ بیٹھے باتیں کررہے تھے۔ اس وجہ سے یہ اس وقت واپس آگئیں۔ پھر دوسرے روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آئے۔ فرمایا۔ کیوں فاطمہ! تمہاری کیا حاجت تھی۔ یہ خاموش رہیں۔ میں نے کہا۔ یارسول اللہ یہ چکی پیستی رہتی ہیں جس سے اُن کے ہاتھوں میں نشان پڑ گئے ہیں۔ مشکیزہ میں پانی لاتی ہیں جس سے اُن کے سینہ پر نشان ہو گئے ہیں۔ چونکہ اس وقت آپ کے پاس غلام آئے ہیں۔ اس لئے میں نے ان سے کہا تھا۔ کہ یہ آپ سے ایک خادم مانگیں۔ جو انہیں گھر کی تکلیف سے بچائے۔ اور یہ گھر میں آرام سے بیٹھیں۔ آنجناب نے فرمایا۔ اے فاطمہ خدا سے ڈرو۔ اپنے گھر کے جیسے کام کرو۔ جب اپنے بچھونے پر لیٹو تو تینتیس دفعہ سبحان اللہ تینتیس دفعہ الحمد للہ اور چونتیس بار اللہ اکبر کہا کرو۔ یہ کلمے ہیں جو تمہارے لئے خادم سے کہیں بہتر ہیں۔ انہوں نے کہا۔ میں اللہ اور اللہ کے رسول سے راضی ہوں۔ آخر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خادم نہ دیا۔ اور یہ ہی گھر کا کام کاج کرتی تھیں۔ اور خادموں کے ساتھ کیا سلوک تھا۔ یہ بھی سن لینا چاہیئے۔ حضرت انس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے خادم تھے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا جس قدر کام کیا۔ خدا کی قسم آپ اس سے میرا زیادہ کام کر دیا کرتے تھے۔ اور ایسا کبھی نہ کہا۔ کہ تم نے یہ کام کیوں نہیں کیا۔

بیشک یہ سب برکات قرآنی تھے۔ جنہوں نے انسانوں کو فرشتوں سے بہتر بنا دیا تھا آج بھی ہمارے اندر قرآن موجود ہے۔ لیکن قرآن کے دینے والے مرد اور عورتیں باقی نہیں ہیں۔ اس سلسلے میں کچھ نہ کچھ کرنے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں لیکن عورتوں کو حسن معاشرت کی جان کو میں۔ وہی اللہ کی کتاب ہے۔ یکسر دور ہو رہی ہیں۔ ضرورت ہے کہ عورتیں مبلغہ اور معلمہ بننے ہی آج اسلام کی سب سے بڑی خدمت تصور فرمائیں۔ عورتوں کو قرآن کی خادمہ بننے کا

ولولہ پیدا ہونا چاہئے۔ قرآنی تحریک کی طرف توجہ کریں۔ اور اپنی حالت کو چراغ ہدایت کی روشنی میں آپ بہتر بنائیں۔

قرآنی تحریک کی ہمیشہ ضرورت ہے

اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ تمام دنیا قرآنی علم و عمل سے معمور ہے جب بھی میں قرآنی تحریک کے سوا دوسرا کام نہیں کرونگا۔ اسی طرح اگر مجھے اس کی خبر ہو جائے کہ روئے زمین کا ایک شخص بھی دعوت قرآنی کو نہیں قبول کریگا تاہم میں عمر بھر یہی کرتا رہوں گا۔

اگر ساری دنیا کو مسلک قرآنی علم و عمل کے سوا کچھ نہ ہوتا جب بھی قرآنی تحریک سے بڑھکر کوئی تحریک قابل توجہ نہ تھی اور آج جب کہ سب سے زیادہ یہی چیز مہجوری کی حالت میں ہے تو اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ کس قدر ہمہ تن اس کام کو کرنا چاہئے۔

مسلمانوں کے پاس آج اگرچہ کچھ بھی نہیں رہا ہے تاہم ان کے پاس ایک ایسی چیز ہے جو کسی قوم کے پاس نہیں اور وہ قرآن ہے۔ یہ ایک ایسا زبردست حربہ ہے جس کا مقابلہ ناممکن ہے۔ یہ ہمالیہ سے بھی زیادہ عظیم الشان ہے۔ جو خلاف طاقت اس سے ٹکرائیگی پاش پاش ہو جائیگی۔ اس لئے اپنا عقیدہ ہے کہ مسلمانوں کو آج حکومت، دولت، مادی طاقت کے حصول کو سب کچھ نہیں سمجھنا چاہئے۔ بلکہ مجھسے تو کہا جائے کہ حکومت لیلو۔ دنیا کے سارے اسلحہ اور جنگی سامان کا انبار لگا ہو تو میں کہونگا کہ بغیر قرآن کے یہ سب ہمارے کسی کام کے نہیں۔ جس نے دیا ہے جب وہ انہیں چھین بھی سکتا ہے تو یہ ہمارے کس کام کے۔ اگر رستم زماں کے سامنے جبکہ وہ مریض و ناتواں ہو کر بستر سے لگ گیا ہو اور ایک بچہ کی امداد کا محتاج ہو چکا ہو تو۔ توپ، بندوق کس کام کے۔ ہاں جب تندرست ہو جائے تو یقیناً یہ سب چیزیں کارآمد ہیں۔ یہی حال مسلمانو

کا ہے پس آج ان کو قرآن حکیم کے ذریعہ روحانی اور جسمانی طاقت کا حصول ضروری ہے۔ اس بات کی فکر کرنی ہے کہ قوموں پر غلبہ حاصل ہو اس امر کی صلاحیت پیدا کرنی ہے کہ اقوام عالم کی رہبری کے لائق بن کر ان کو خدا والا بنا سکیں۔

قرآنی تحریک کی قیامت تک ضرورت ہے۔ خاص کام مسلمانوں کا قرآن مجید کی خدمت کے سوا دوسرا نہیں ہو سکتا۔ خدا کی تو یہی مرضی ہے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تو یہی کیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی مبارک تو اسی کے لئے تھی جب سے قرآن چھوٹا مسلمان دین و دنیا کی برکات سے محروم ہو گئے۔ تو اگر ان کو ہمیشہ دین و دنیا کا مالک بنے رہنا منظور ہے تو قرآن مجید کا علم بلند کئے رہنا ہو گا۔ جس دن یہ سرنگوں ہوا اسی دن پستی کے غار میں ان کا گرنا بھی ضروری ہے۔ لہٰذا قرآنی تحریک کوئی وقتی تحریک نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے ہے اور ہر زمانہ میں سب سے زیادہ اسی کام کو ہونا چاہیئے۔

پیری مریدی

مسلمانوں کی آج کوئی کل سیدھی نہیں۔ کس کس کا ذکر کیا جائے۔ اور کس کس کی فکر میں وقت گزارا جائے۔ جب آفتاب نہ ہو تو تاریکی کا ہونا ضروری ہے جب اسلام نہ ہو تو کفر و شرک کے سوا اور کیا چیز ہو سکتی ہے صحت کا جب فقدان ہو تو مرض کے سوا اور کیا ملے گا۔

پیری مریدی مذموم شئے نہیں مگر اب یہ اُن دائروں میں محدود ہے جو سراہے نہیں جا سکتے اگر ہر پیر صاحبان اپنے ہر مرید سے صرف کتاب اللہ شریف پر بیعت لیا کریں تو گویا انہوں نے اسلام کے جمیع ارکان پر عہد لے لیا۔ پھر یہ خدائی فوج مبلغ اسلام اور مجاہد اسلام کے سوا اور کیا ہو گی۔ اور پھر یہ جب ہو جائے تو کیا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ مریدوں

سے اس بات پر بیعت کی جائے کہ

میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر اُس کے سامنے اس بات کا وعدہ کرتا ہوں کہ میری زندگی کا واحد مقصد قرآن مقدس کا علم و عمل ہو گا۔

(۲) میں وعدہ کرتا ہوں کہ میری زندگی ایک مبلغ قرآن اور مجاہد اسلام کی زندگی ہو گی۔

(۳) میں وعدہ کرتا ہوں کہ میری ناچیز زندگی حکومت الٰہی کے قیام۔ عبدیت الٰہی کی تبلیغ اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے درس میں گزرے گی۔

(۴) میں وعدہ کرتا ہوں کہ ایک سال کے اندر کم سے کم سو انسانوں کو مسلمان کرونگا اور ان کو قرآن مجید کے علم و عمل سے آراستہ کرونگا۔ اور ان باتوں کا پابند بناؤنگا جو اوپر کی دفعات میں مذکور ہوئیں۔ نیز ان میں سے ہر ایک کو اسی طرح سو سو انسانوں کو ایک ایک سال کے اندر قرآن پاک کے علم و عمل سے آراستہ کرنیکی تلقین کرونگا۔ جو اسی طرح مسلسل اس نظم کو قائم رکھیں۔

(۵) وعدہ کرتا ہوں کہ مجھے فرقہ بندی سے کوئی لگاؤ نہ ہوگا۔ اور میں قرآنی تحریک پر مستقل مزاجی کے ساتھ اپنی زندگی کے اخیر سانس تک قائم رہوں گا۔

اوپر جو کچھ بیان ہوا ہے وہ مثال کے طور پر چند امور تھے۔ اسی طرح اور بھی ہو سکتے ہیں۔ بہرحال اس بات کی ضرورت ہے کہ نام نہاد پیری مریدی کو کارآمد بنایا جائے۔

سر سید مرحوم

ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت کا اندازہ اگر سر سید مرحوم سے پہلے کا کیا جائے تو صاف نظر آئیگا کہ اُس وقت کی حالت اور بعد کی حالت میں فوراً خطِ فاصل قائم ہو جاتا ہے

اس سے پہلے جو لوگ مذہب کا کام کرنا چاہتے تھے اپنے اپنے رنگ میں کرتے نظر آئیں گے بادشاہوں ورفاتحوں کا ایک گروہ اپنا کام کرتا نظر آئیگا۔ جس میں محمود غزنوی اور شہاب الدین غوری شیر شاہ سوری، اورنگ زیب عالمگیرؒ وغیرہ ہوں گے۔

عُلماء میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب، حضرت شاہ عبدالعزیز، حضرت شاہ عبدالقادر، حضرت شاہ رفیع الدین، حضرت شاہ اسمٰعیل شہید نظر آئیں گے۔

مشائخین میں حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت قطب الدین بختیار کاکی حضرت شاہ فرید گنجشکر حضرت خواجہ نظام الدین اولیا معلوم ہوں گے۔

ان کی تالیف و تصنیف کا درجہ نہایت ہی مختصر ملیگا ان کے دور ترقی میں قوم قوم اور ملک ملک کا رونا نظر نہ آئیگا۔ تجاویز و تقاریر مفقود ہوگی لیکن عملی کام ہر ایک اپنی جگہ پر عظیم الشان طور پر انجام دیتے نظر آئیں گے۔

اب سرسید کے بعد کے زمانہ کو لو۔ تو علماء، مشائخین اور رہنمایانِ قوم سب ہی ایک پلیٹ فارم پر نظر آتے ہیں سب کے ورد زبان ایک ہی چیز ہے اور وہ تجاویز و تقاریر ہیں جن کا انبار ایک بڑے کتب خانے سے ہرگز کم نہیں۔

اسی سلسلے میں اسلامی مدارس اسکول و کالج اور یونیورسٹیاں اخبار و انجمنیں وغیرہ انہیں تجاویز و تقاریر کا نتیجہ ہیں۔

ہر وہ شخص جو اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں کچھ لکھنا یا کہنا چاہتا ہے اس کو شروع میں ہی اس غلط فہمی سے دوچار ہونا پڑتا ہے کہ وہ کیا لکھ رہا اور کیا بول رہا ہے حالانکہ دراصل اُس کو کچھ اور لکھنا اور کچھ بولنا چاہیے تھا۔

وہ اپنی تقریر و تحریر کے ذریعے حاضرین و ناظرین کو دقت میں ڈال دیتا ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کا پیش کرنے والا ہے جو سمجھکر لکھی یا کہی نہیں گئی ہے۔

وقت میں پڑنا یا مصیبت میں پھنسنا ایک تو یہ ہوتا ہے کہ لوگ صحیح نتیجہ تک پہنچے بغیر تقریر سنکر اٹھ جاتے یا تحریر پڑھکر ختم کر دیتے ہیں۔ دوسرے وہ یہ خیال کرنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ یہ کام ہمارے بس کا نہیں ہے۔ بڑی سے بڑی قومی مجلس اور قومی بحث زیادہ سے زیادہ بیکاری کا مشغلہ بن کر رہ جاتی ہے اور بسا اوقات تو نئے نئے فتنہ کا یہیں سے آغاز شروع ہو جاتا ہے۔ مثلاً تعصب فرقہ پروری وغیرہ۔

تحریر و تقریر کے خاص خاص الفاظ اور اصطلاحیں مقصد تک پہنچنے میں اور بھی سدّ باب ہیں۔ کیوں کہ ان میں حقیقت سے چشم پوشی کی گئی ہوتی ہے۔

علماء کی انجمن، رہنمایانِ قوم کی مجلسیں اور ان کے پرشکوہ سالانہ اور خاص جلسے ہیں اسلام و قرآن کی تعریف، محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف۔ قومی تنزل اور ترقی کے گرما گرم مباحث اور استدلالات ہی پیش ہوتے رہتے ہیں جس کو سنتے سنتے لوگوں کے کان تھک گئے آنکھیں پتھرا گئیں۔ مگر درد کی دوا نہ آج تک مل سکی اور نہ اس لیل و نہار سے آئندہ کوئی امید ہے۔ آج ان سب کا نتیجہ یہ ہے کہ عام طور پر لوگ اب مذہب، مذہبی رہنما اور مذہبی مباحث سے دلچسپی لینے میں پہلوتہی کرنے لگ گئے ہیں بلکہ کسی نہ کسی شکل میں ایسے قائدین اور دعوت دینے والوں پر اعتراض کرتے نظر آتے ہیں ان کا تنفر اور اعتراض صرف اسی لئے ہے کہ اب تک کچھ نہیں کیا جاسکا اور لوگ حقیقت حال کے سمجھنے سے قاصر ہے۔

مسلمانوں کے تنزل یا اسلام کی ترقی کا ذکر چھیڑ کر دیکھئے۔ جتنے منہ اتنی باتیں ہونگی ہزاروں وجوہ و اسبابِ بتلائیں جائیں گے۔ سینکڑوں لاینحل مسئلے پیش کر دیئے جائیں گے رفتہ رفتہ یہاں تک نوبت پہنچ چکی ہے کہ مذہب کی ضرورت ہی سے ایک طبقہ انکاری ہو چلا ہے وہ کہتا ہے جب تک مذہبی قیود باقی رہیں گے ہم ترقی نہیں کر سکتے۔ وہ

صاف لفظوں میں کہتا ہے کہ مذہب سے فائدہ نہیں بلکہ نقصان ہے۔

مذہبی مدارس بے وقعتی کی نگاہ سے دیکھے جا رہے ہیں، طلبہ نوکر گدے سمجھے جاتے ہیں علما، اور مشائخ کے لئے چندے اور نذرانے کے خوف نے امرا کے دروازے بند کر دیئے ہیں ان کی صورت دیکھتے ہی طرح طرح کی بدگمانیاں اور چہ میگوئیاں شروع ہو جاتی ہیں، ان کے وعظ کے نام سے ڈر لگتا ہے اور اعلان ہوتے ہی لوگ اٹھ اٹھ کر گھروں کو جاتے نظر آتے ہیں حقیقت بھی یہی ہے کہ اسلامی تعلیم یافتہ کے لئے مسجد کی امامت یا مدرسہ کی مدرسی انتہائے عروج ہے اور اگر کسی امیر کا ساتھ ہو گیا تو معراج سے کم نہیں۔

مذہبی تعلیم پاکر دنیا تو ملتی نہیں لیکن تسکین قلب اور اطمینان روح بھی نو نصیب نہیں ہوتا۔ تماشہ ہے کہ حب اللہ کے ذکر سے ہی اطمینان و تسکین کا حصول نہ ہو سکا تو پھر اب اس کے بعد کونسی چیز ہو سکتی ہے غور سے دیکھا جائے تو اس کے تو یہ معنے ہوئے کہ مذہب نے ہمیں مذہبی بنا کر کہیں کا نہیں رکھا۔

قرآن مجید کی تلاوت معنی و مطلب کے ساتھ اور عمل کی نیت سے

معزز خواتین! پیاری و عزیز بہنو! ہم لوگ مسلمان ہیں۔ ہماری مذہبی اور آسمانی کتاب کا نام قرآن ہے۔ یہ ہمارے خدا کی بھیجی یہ ہمارے رسول کی بتلائی ہوئی اور ہمارے لئے چھوڑی ہوئی کتاب ہے۔ ہمارے لئے اس میں دین کی بھلائی اور دنیا کی بھلائی حاصل

کرنے کے طریقے خود ہمارے پیدا کرنیوالے خدا نے بتلائے ہیں اس کے خلاف کرنے سے ہماری ہلاکت اور اس کی بجاآوری سے ہماری نجات ہے اور اگر یہ سچ ہے کہ ہمارا اس پر ایمان ہے تو اس کو چھوڑنا اس سے غافل رہنا سب سے بڑی نادانی اور سب سے زیادہ افسوس کی بات ہے۔ لہٰذا جس قدر جلد ہم غفلت سے باز آئیں اتنا ہی بہتر اور مبارک ہے ہم نے قرآن پاک کو ایسا چھوڑا ہے جو نہایت ہی خطرناک ہے۔ ہمارے دماغوں میں تو یہ ہے کہ ہم قرآن کو مانتے اور جانتے ہیں حالانکہ یہ بالکل غلط اور دھوکا ہے۔ لوگ مرض کی دوا تلاش کرنے میں سرگرداں ہیں۔ لیکن سبب مرض کے پہنچاننے میں اتنا ہی دور ہیں جتنا زمین سے آسمان۔

محترم خواتین! میں آج اس حقیقت کو آپ کے سامنے پیش کر دینا چاہتا ہوں جس پر بدقسمتی سے ہزاروں پردے پڑگئے ہیں۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن ہمارے علم و عمل میں گویا سرے سے باقی نہیں رہا۔ آپ دیکھیں تو سو میں سے شاید ننانوے بہنیں ایسی نکلیں گی جنہوں نے ساری عمر میں ایک مرتبہ بھی شروع سے آخر تک معنی مطلب کے ساتھ عمل کی نیت سے قرآن کو نہیں پڑھا ہوگا۔ اگر یہ بات سچ ہے اور ضرور سچ ہے تو بتایئے ہم مسلمانوں کی دین و دنیا کے بگڑنے کی اس کے سوا دوسری اور کونسی وجہ ہے اگر آپ کا قرآن پر ایمان ہے اور ضرور ہے تو یقین مانیئے کہ قرآنی علم و عمل کیلئے حاصل کئے بغیر ہماری حالت ہرگز درست نہیں ہو سکتی۔ آپ کہیں گی کہ قرآن بہت مشکل ہے اور پھر اس میں رکھا ہی کیا ہے مشکل تو یہ ہرگز نہیں۔ کیوں کہ خدا نے اسکو آسان فرمایا ہے۔ یہ کیسی عجیب بات ہے کہ جس کو خدا آسان کہتا ہے۔ ہم اسے مشکل ٹھہرائیں شاید آپ نے سنا ہوگا کہ ہماری زیر تعلیم چھوٹے چھوٹے بچے اور ننھی ننھی بچیاں بھی معنی و مطلب کے ساتھ قرآن پڑھ رہی ہیں۔

اور آپ کو غالباً یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ قرآنی تحریک نے ذریعہ قرآن کے عام کرنے کا سلسلہ چھیڑ چکا ہے اور اگر خدا کو منظور ہوا تو وہ وقت دور نہیں جبکہ یہ صدا ہر کان تک پہنچ جائیگی یا ایک دن آخر کار مسلمان خود بخود قرآن کی طرف متوجہ ہونے پر مجبور ہوں گے۔ کیا اچھا ہو کہ ہم مستورات سب سے پہلے خدا کی پکار کو سننا شروع کر دیں اور آپ کے ذریعے آپکے مرد اور آپکے بچے قرآنی علوم و فنون کی برکات سے مالا مال ہونے لگ جائیں۔

یہ کہنا کہ قرآن میں اندر رکھا ہی کیا ہے۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ قرآن میں جو کچھ ہو سکتا ہے وہ کہیں نہیں ہو سکتا اور نہ ہونا چاہیے۔ قرآن میں وہ سب علوم و فنون کی اصل موجود ہے جس کے عشر عشیر پر چلکر ایک زمانہ میں صحابہ کرام آسمان کے تارے بن چکے اور دین و دنیا دونوں حاصل کر چکے اور آج جو آپ یورپ کی ترقی دیکھ رہی ہیں وہ حقیقتاً قرآن پاک کی ہی پیش کردہ ترقیاں ہیں۔

ہماری اس غلط فہمی کا باعث وہی قرآن سے بے پروائی اور لاعلمی ہے افسوس ہے کہ عرصہ دراز سے علمائے کرام نے قرآنی علوم و فنون کو اس صورت میں پیش نہیں کیا جس کا وہ شایان شان ہے یہی سبب ہے کہ مسلمان دین و دنیا دونوں سے محروم ہیں اور یورپ کی ترقی کو للچائی ہوئی آنکھوں سے دیکھ رہی ہیں۔ حالانکہ اگر قرآن پھر ہمارے اندر آ جائے تو یورپ خوشہ چین اور ہمارا شاگرد بن جائے اور پھر ہم ساری دنیا کے مالک اور استاد ثابت ہوں۔

میری بہنو! میں آپ سے دوبارہ یہ کہتے ہوئے رخصت ہوتا ہوں کہ قرآن پاک کو صحیح معنوں میں اختیار کرنا اور معنی و مطلب کے ساتھ عام کرنے میں صرف ہماری ہی نہیں بلکہ دنیا کی دوسری قوموں کی بھی بھلائی ہے۔ پس اس سے زیادہ آج کوئی ضروری اور مبارک کام نہیں کہ قرآنی تحریک کا آواز بلند کیا جائے

قرآن پاک کو معنی و مطلب کے ساتھ عام کیا جائے۔ اور اس کے ذریعہ سے خدائی حکومت عبدیت الٰہی اور محبت الٰہی کا آوازہ بلند کیا جائے۔

نور جہاں

خدائے بزرگ و برتر نے قرآن مقدس کی تعریف میں نور مبین ارشاد فرمایا ہے اور اسی لفظ کو اپنی ذات پاک کے لئے بھی استعمال فرمایا ہے۔ اَللّٰہُ نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (اللہ آسمان و زمین کا نور ہے) اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ اللہ کی تشبیہ نور سے ہی ہو سکتی ہے اور اس نور کی اگر کوئی حقیقت معلوم کرنا چاہے تو اس کا نورانی راستہ اور نورانی طریقہ سوا قرآن کے کوئی دوسرا نہیں نور سے نور تک رسائی کیا ہی اچھا اشارہ ہے۔ اور کتنی لطیف مثال اور کیسی نادر تشبیہ ہے نور کو سبھی پسند کرتے ہیں زلیخا حضرت یوسف کے اندر کسی نور ہی کو دیکھکر شیدا ہوئیں شیریں کیلئے اندر فرہاد کو بھی کسی نور ہی نے کوہکنی پر مجبور کیا۔ مجنوں لیلیٰ کے اندر کسی نور ہی کے جلوے دیکھکر دیوانہ بنا۔ گل میں اگر کوئی نور نہیں تو بلبل آخر کس چیز کی شیدا ہے اور سرو میں کسی نور کی جلوہ گری نہیں تو قمری نے طوق غلامی کس لئے پہنا ہے چمکیلے تاروں میں درخشاں چاند میں جگمگ جگمگ کرتے ہوئے آفتاب میں بھی کوئی نور ہی ہے جس سے روز و شب کی انجمنیں زینت پا رہی ہیں۔

آنکھوں میں اگر نور نہ ہوتا اور اس نور کا دینے والا اصلی کوئی نور نہ ہوتا تو آسمان و زمین کا ہر ذرہ تاریک ہوتا اور اگر دنیا اندھوں کی دنیا ہوتی تو پھر کون کہہ سکتا ہے

کہ کائنات کی جلوہ ریزی کس کام کی ہوتی اگر حسن ہی نوحسن کا نگران ہونا ضروری تھا۔ ٹھیک اسی طرح دل کا بھی نور ہی اور یوں سمجھو کہ آسمان و زمین کے ساری انوار کا حاصل یہی دل کا نور ہی۔ آنکھیں ہو اکرویں آفتاب چمکا کرے مہتاب جلوی دیا کرے مگر اگر ایک شخص کا دل اندھا ہی توساری چیزیں ہیچ ہیں۔ کاش! آنکھوں کی روشنی کی اتنی قدر و قیمت نہ ہوتی جس قدر دلوں کے روشنی کی ہبقدر ہوتی ہے اور لوگ جس طرح آنکھوں کی تو روشنی کو قیمتی اور عزیز سمجھتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہئی روشنی نے کانچ کے چشمے جاری کرکے بطور فیشن کے بھی بہیتروں کو چہار چشمی بنا دیا ہی کاش کے اسی طرح دل کو روشن کرنے کے لیئے بھی کوئی عینک ہوتی اور کوئی کارخانہ قایم ہوا ہوتا جہانگیر کے لیئے بھی ایک نورجہاں تھی! اور ہندوستان کے زنانہ رسالوں میں بھی ایک رسالہ نورجہاں ہے مگر کیا ایسا نہیں ہوا اور کیا کوئی انسان ایسا کرنا بھی چاہتا تو صریح راہنمائی انسانی غور و فکر کے ذریعہ ممکن بھی تھی نہیں ہرگز نہیں یہ کام اُسی ذات بزرگ کا تھا جو آسمان و زمین کا نور ہی اوسی کے کارخانہ قدرت کی عینک درکار تھی۔ اس کی بڑی دکان مکہ اور مدینہ میں کھولی گئی اور سب سے بڑے دکاندار محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کے لیئے اس کو عام کیا اور ہر جگہ اس کی شاخیں قائم کرنے کے لیئے اپنی اُمت کے ہر فرد کو لازم بتلا دیا ہادی برحق نے نور مبین قرآن مقدس کی روشنی سے عرب کے صحرا نشینوں کو جن کی آنکھیں اور جن کے قلوب عرصہ سے اندھے ہو چکے تھے ان کو بینا کر دیا ایسا بینا کہ آج بھی جن کی پیروی صراط مستقیم کی رہنمائی کرنیکو تیار ہے۔

قرآن مقدس کے نور نے انسانیت کو منور کر دیا دوزخ و بہشت کی تمیز کرا دی دین و دنیا میں کامیابی کے طریقے بتلا دیئے خدا کی مرضی اور نامرضی کو سمجھا دیا۔ اب اگر کوئی اس نور سے آنکھیں بند کرتا ہی تو یہ اس کا قصور ہی اس کے پیدا کرنیوالے کا نہیں۔

جس طرح آفتاب کی عدم موجودگی میں حسبِ لیاقت ہر شخص اپنے بساط کے مطابق ایک روشنی کا انتظام کر لیتا ہے کسی کی کوٹھی بجلی کی روشنی سے جگمگاتی ہے تو کسی کا کمرہ لیمپ سے روشن ہے اور کوئی قندیل روشن کئے ہوا ہے تو کسی کے یہاں مٹی کے تیل کا ٹمٹماتا ہوا چراغ ہی سہی مگر صبح ہوتے ہی آفتاب عالمتاب کے جلوہ گر ہوتے ہی یکساں طور پر ہر شخص اپنی اپنی روشنی کو گل کر دیتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح قرآن مقدس کے آنے سے پہلے تمامی صحف سماوی وتمامی ادیان اپنی اپنی جگہ پر فائدہ مند اور ضروری تھے لیکن آفتاب قرآن کے طلوع کے بعد اب کسی چراغ کی ضرورت باقی نہیں ہے اور اگر کوئی اب بھی آفتاب کے طلوع ہونیکے بعد اپنے ٹمٹماتے چراغ کو لئے بیٹھا ہے تو اس کی بھول کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے۔

دنیا اس نور مبین سے فائدہ اٹھائے یا نہ اٹھائے مگر یہ تو اپنی جگہ پر نور ہی ہے جو ظاہری آنکھوں کے نہیں بلکہ دلوں کی آنکھوں کو روشن کر دینے کیلئے ہر وقت تیار ہے۔ کاش! کوئی ہوتا کہ اس نور مبین کو کلیجے میں رکھ لیتا اور وہ دیکھتا جس کے دیکھنے کے بعد کسی چیز کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہ رہتی۔

کاش! مسلمانوں کے بہی خواہ اسی کو سوچتے کہ جو چراغ تیرہ صدی پہلے روشن ہوا تھا آج پھر اس کے روشن کئے بغیر ایک مسلمان کیلئے دین و دنیا کی فوز و فلاح کیونکر ممکن ہے۔ عالمگیر قرآنی تحریک کا بھی مقصد ہے۔ خدائے قرآن اس کو پروان چڑھائے

خُلقِ عظیم

اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيمٍ

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق استفسار

کیا آپ نے جواب میں فرمایا کان خلقہ قرآن یعنی آپ کی اگر سیرت کو کوئی جاننا چاہے اس کو قرآن مقدس کی تلاوت کرنا چاہئے سبحان اللہ کتنا بلند، ارفع، جامع، مانع اور مقدس جواب ہے۔ اس سے بہتر اتنی لفظوں میں دنیا کے سب سے بڑی انسان کی سوانح مبارک آج تک کسی نے نہیں لکھی۔ اور اگر آئندہ کوئی لکھنا چاہیگا تو اسی چراغ سے چراغ روشن کرنا پڑیگا۔

حضرت ام المومنین نے جو پیغمبر کی زوجہ ہونیکی حیثیت میں اپنی گرامی شان زوج کے علوم نبیت کا اظہار فرمایا ہے وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہر و باطن زندگی کا آئینہ کہا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ ایک مرد کا صحیح کیرکٹر اس کی شریک زندگی سے بہتر کوئی دوسرا نہیں بتا سکتا ہے۔ یہی چیز دوسری طرف خود حضرت ام المومنین کے علم و عمل و فطرت سلیم کا پتہ دیتی ہے۔ اللہ اللہ آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حالات کا اور قرآن مقدس کا اتنا صحیح اور گہرا مطالعہ کیا جس نے آپ سے ایسا مکمل اور خوبصورت جواب دلوایا ہے وہ جواب ہے جو خود خدائے محمد اور خدائے قرآن کی طرف سے بھی ارشاد باری ہے۔ اِنَّكَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ آپ کے اسوہ حسنہ کو دنیا کے لئے نمونہ قرار دیا گیا گویا آسمان کے نیچے اس زمین کے اوپر انسانیت جب سے نمونہ دار ہوئی جب تک کے لئے نمودار ہوئی۔ کروڑوں انسانوں کے پیدا کرنے کے باوجود بھی اس شبیہ مبارک اور اس کامل انسان کی ضرورت تھی اور اگر ذات محمدی نہ ہوتی تو کہا جا سکتا تھا کہ انسانیت تشنہ رہ جاتی۔ بلکہ انسانیت ہی نہیں۔ کائنات اور کائنات کی کوئی شئے اس منشاء کو پورا نہ کر سکتی جو آپ کے پیدا کرنے سے ہوئی کسی نے خوب کہا ہے ؎

شبیہ مدنظر ہے کس کی کہ کوئی پوری نہیں اترتی
مٹا دیئے صانع ازل نے ہزاروں نقشے بنا بنا کر

ہزاروں درود وسلام اُس ذات بابرکات پر کہ جس کا نمونہ خدا کو پسند آیا اور جس کی پیروی دنیا کے لئے نجات کا باعث ٹھیری ؎

بَلَغَ الْعُلیٰ بِکَمَالِہٖ　　کَشَفَ الدُّجیٰ بِجَمَالِہٖ
حَسُنَتْ جَمِیْعُ خِصَالِہٖ　　صَلُّوْا عَلَیْہِ وَآلِہٖ

قرآن مقدس کے عام علم وعمل سے کورے رہ کر جس طرح مسلمانوں نے اپنی صورت کو بگاڑ لیا ہے شان وصفت اسلامی سے مسلمان جس طرح صاف علیحدہ اور دوسری چیز نظر آتے ہیں اسی طرح انہوں نے اپنے پیغمبر کی سیرت کو بھی بگاڑ لیا ہے۔ مجالس میلاد جیسی بہتر چیز کو انہوں نے اہل دل حقیقت شناس مسلمان کیلئے جس طرح مکروہ بنا دیا ہے وہ پوشیدہ نہیں۔ اسی طرح میلاد کی کتابیں بھی پیغمبر اسلام کی شان میں گستاخی سے کم نہیں۔ سیرت نگاروں نے جس قدر کتابیں لکھی ہیں وہ بھی اس فائدے اور معیار کو پیش نہیں کرتیں جس سے آپ کے سوانح مبارک کی غرض وغایت پوری ہو۔

اس سلسلہ میں مجالس وعظ کا بھی قریب قریب وہی نتیجہ ہے جو اوپر بیان ہوا۔ بڑی بڑی مجلسیں بڑے بڑے شوق وارمان کے ساتھ منعقد ہوتی ہیں مگر آخر میں نتیجہ کچھ بھی برآمد نہیں ہوتا۔ بانیان مجالس میلاد اور شرکاء جشن میلاد النبی اس بیان سے پہلے جیسے کورے ہوتے ہیں ویسے ہی ختم مجالس کے بعد بھی اور اس کا ایک سبب تو یہ ہوتا ہے کہ واعظ کا دل اور اس کا نفس خود متاثر شدہ نہیں ہوتا اور حقیقت حال سے کوسوں دور رہتا ہے۔ اس لئے سننے والوں پر بھی کوئی اثر نہیں ہوتا۔ دوسرا بڑا سبب یہ ہوتا ہے کہ صحیح نتیجہ اور کسی ایک مرکز تک پہنچنے کیلئے مجموعی طور سے علماء وقت کے وعظ نہیں ہوتے۔ بھانت بھانت آوازا ور طرح طرح کی دعوت کسی ایک نتیجہ تک پہنچنے نہیں دیتی۔

کسی شخص کی سوانح عمری کا اصل وہ حصہ ہوتا ہے جو اُس کی زندگی کا اصل مقصد رہا ہو۔

اس بنا پر ظاہر ہے کہ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا اصل مقصد بھی سوائے قرآن کے دوسرا اور کیا تھا۔ آپ اس کے لئے آئے تھے ۲۳ برس زمانۂ رسالت کے اسی کے لیے گزاری اور جب دنیا سے تشریف لے گئے تو اسی کو چھوڑ گئے۔ اب فیصلہ کرنا ہر شخص کے لیے آسان ہے کہ تمامی مجالس میلاد تمامی وعظ و نصیحت اور تمامی تعلیم و تلقین کی غرض و غایت اس کے سوا دوسری اور کیا ہونی چاہیئے کہ لوگ قرآن کی طرف متوجہ ہوں۔ قرآن کے علم و عمل کے لیے آمادہ ہوں غرض ہر صدا کی تان قرآن کی دعوت و تبلیغ پر ٹوٹے۔ تاکہ ایک متحدہ محاذ قائم ہو جائے اور اتحاد عالم کا منظر پیش ہونے لگے۔

ایک بڑا نقص ان مجالس اور ان درس گاہوں میں یہ پیدا ہو گیا ہے کہ وہ جو کچھ کرتے ہیں وہ مسلمانوں ہی کے لئے ہوتا ہے اور سختی کے ساتھ دعوتِ قرآن اور تعلیماتِ اسلام کو دیگر مذاہب والوں کے لئے روک دیتے ہیں۔ اُن کی مسجدیں، اُن کی مجالس اور اُن کی درسگاہیں غیر قوم کی شرکت سے اُن کے خیال میں پلید ہو جاتے ہیں حالانکہ سمندر ساری پلیدگیوں کے دور کرنے کی چیز ہے۔

جس قدر مسلمان ماہ ربیع الاول وغیرہ میں اپنے پیغمبر اسلام کے لیے جشن میلاد کا انعقاد کرتے ہیں وہ یقیناً قابلِ تعریف ہے لیکن اس کا سارا مفاد رسمیات اور ظاہری آرائش پر ختم ہو جاتا ہے اسی لئے میلاد خوان اور واعظ و مقرر وہ شخص منتخب ہوتا ہے جو خوش بیان خوش گلو ہو یا ظاہری وجاہت والا ہو۔ جس طرح ہماری اسلامی موجودہ حالت میں سخت اصلاح کی ضرورت ہے اس سے زیادہ قرآن پاک کے معرفِ صحیح اور پیغمبر اسلام کی عظمت صحیح کے منظر عام پر لانے کی ضرورت ہے۔

دنیا و دین ایک علیحدہ چیز نہیں ہے بلکہ لازم و ملزوم ہے۔

پیشِ نظر مصطفےٰ دیکھوں قرآن ہر دم　　یہ صورت ہے محمدؐ کی یہ سیرت ہے محمدؐ کی

پرتوِ غیب

ہنوز شعلہ ہی پردی منہ چھپائے ہوئے
مگر کنول ہیں کہ روشن ہیں بے جلائے ہوئے

ہنوز یار ہی خلوت گزین و حجلہ نشین
تمام بزم کے چہرے ہیں مسکرائے ہوئے

ہنوز قطرۂ نیساں ہی اور ضمیرِ سحاب
مگر صدف میں ہیں موتی سی جگمگائے ہوئے

کھلے ہوئے ہیں صبا میں ہزار ہا نافے
ہنوز زلف میں ہیں وہ گرہ لگائے ہوئے

ہنوز سنگ میں خوابیدہ ہی جمالِ صنم
نہ جانے کتنے برہمن ہیں سر جھکائے ہوئے

ہنوز غیبتِ خورشید سی افق ہی اداس
تمام دشت کے ذرے ہیں جگمگائے ہوئے

رچی نہیں ہی فلک پر ہنوز شادیٔ ابر
چمن کی خاک ہی خود کو دلہن بنائے ہوئے

ہنوز میان سی باہر نہیں ہوئی ہی وہ تیغ
پڑے ہیں کتنے مگر خون میں نہائے ہوئے

ابھی چلی ہی نہیں ہی نسیمِ کوچۂ یار
چراغِ راہِ محبت ہیں جھلملائے ہوئے

تڑپ رہی ہیں عنادل جھلک رہی ہی صبا
ہنوز غنچۂ رنگیں ہی سر جھکائے ہوئے

سلگ رہی ہیں برابر ہزار ہا خرمن
ہنوز ابر میں بجلی ہی منہ چھپائے ہوئے

خبر ہی جوشؔ اٹھیگی نگاہِ ناز ادھر
دلوں کو لوگ کلیجے سے ہیں لگائے ہوئے

انسان کا مدعائے زندگی اور اس کا ذریعہ حصول

اگرچہ مختلف طبائع انسان اپنی کوتہ فہمی یا پست ہمتی سے مختلف طور کے مدعا اپنی زندگی کے لئے ٹھہراتے ہیں اور فقط دنیا کے مقاصد اور آرزوؤں تک چل کر آگے ٹھہر جاتے ہیں مگر وہ مدعا جو خدا تعالیٰ اپنے پاک کلام میں بیان فرماتا ہے یہ ہے:۔

فرماتا ہے

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ

میں نے جن اور انسان کو اسی لئے پیدا کیا ہے کہ وہ مجھے پہچانیں اور میری پرستش کریں

پس اس آیت کی رو سے اصل مدعا انسان کی زندگی کا خدا کی معرفت اور خدا کیلئے ہو جانا ہے۔ یہ تو ظاہر ہے کہ انسان کو یہ مرتبہ حاصل نہیں ہے کہ اپنی زندگی کا مدعا اپنے اختیار سے آپ مقرر کرے کیونکہ انسان نہ اپنی مرضی سے آتا ہے اور نہ اپنی مرضی سے واپس جائیگا بلکہ وہ ایک مخلوق ہے اور جس نے اسے پیدا کیا اور تمام حیوانات کی نسبت عمدہ اور اعلیٰ قویٰ اس کو عنایت کئے، اسی خالق نے اس کی زندگی کا ایک مدعا ٹھہرا رکھا ہے، خواہ کوئی انسان اس مدعا کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر انسان کی پیدائش کا مدعا بلاشبہ خدا کی پرستش اور خدا کی معرفت اور خدا میں فانی ہو جانا ہی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں ایک اور جگہ فرماتا ہے۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۝

فِطْرَتَ اللّٰہِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْھَا

یعنی وہ دین جس میں خدا کی معرفت صحیح اور اس کی پرستش احسن طور پر ہے وہ اسلام ہے اور

انسان کی فطرت میں رکھا گیا ہے اور خدا نے انسان کو اسلام پر پیدا کیا اور اسلام کے لئے پیدا کیا ہے، یعنی یہ چاہا ہے کہ انسان اپنے تمام قویٰ کے ساتھ اُس کی پرستش اور اطاعت اور محبت میں لگ جائے۔ اسی وجہ سے اس قادرِ کریم نے انسان کو تمام قویٰ اسلام کے مناسب حال عطا کئے ہیں۔ اِن آیتوں کی تفصیل بہت بڑی ہے ہم مختصر طور پر صرف یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ انسان کو جو کچھ اندرونی و بیرونی اعضاء دیئے گئے ہیں یا جو کچھ قوتیں عنایت ہوئی ہیں اصل مقصود ان سے خدا کی معرفت اور خدا کی پرستش اور خدا کی محبت ہے، اسی وجہ سے انسان دنیا میں ہزارہا مشغلوں کو اختیار کر کے پھر بھی بجز خدا کے اپنی سچی خوشحالی کسی میں نہیں پاتا۔ بڑا دولتمند ہو کر بڑا عہدہ پا کر بڑا تاجر بن کر بڑی بادشاہی تک پہنچ کر بڑا فلاسفر کہلا کر آخر ان دنیاوی گرفتاریوں سے بڑی حسرتوں کے ساتھ جاتا ہے اور ہمیشہ اس کا دل دنیا کے استغراق سے اُس کو ملزم کرتا رہتا ہے اور اس کے مکروں اور فریبوں اور ناجائز کاموں میں کبھی اس کا کانشنس اس سے اتفاق نہیں کرتا۔ ایک دانا انسان اس مسئلہ کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے کہ جس چیز کے قویٰ ایک اعلیٰ کام کر سکتے ہیں اور پھر آگے جا کر ٹھہر جاتے ہیں وہی اعلیٰ کام اُس کی پیدائش کی علت غائی سمجھی جاتی ہے، مثلاً بیل کا کام اعلیٰ سے اعلیٰ کلبہ رانی یا آبپاشی یا باربرداری ہے اس سے زیادہ اس کی قوتوں میں کچھ ثابت نہیں ہوتا۔ سو بیل کی زندگی کا مدعا یہی تین چیزیں ہیں اس سے زیادہ کوئی قوت اس میں پائی نہیں جاتی۔ مگر جب ہم انسان کی قوتوں کو ٹٹولتے ہیں کہ ان میں اعلیٰ سے اعلیٰ کونسی قوت ہے تو یہی ثابت ہوتا ہے کہ خدائے اعلیٰ برتر کی تلاش اس میں پائی جاتی ہے یہاں تک کہ وہ چاہتا ہے کہ خدا کی محبت میں ایسا گداز اور محو ہو کہ اُس کا کچھ بھی نہ رہے سب خدا کا ہو جائے۔ وہ کھانے اور سونے وغیرہ طبعی امور میں دوسرے حیوانات کو اپنا شریک غالب رکھتا ہے، صنعت کاری میں بعض حیوانات اس سے بہت بڑھے ہوئے ہیں۔ بلکہ شہد کی مکھیاں ہر ایک پھول کا عطر نکال کر ایسا نفیس شہد پیدا کرتی

ہیں اب تک اس صنعت میں انسان کو کامیابی نہیں ہوئی پس ظاہر ہے کہ انسان کا اعلیٰ کمال خدائے تعالیٰ کا وصال ہی ہے لہٰذا اس کی زندگی کا اصل مدعا یہی ہے کہ خدا کی طرف اس کے دل کی کھڑکی کھلے۔

اگر یہ سوال ہو کہ یہ مدعا کیونکر اور کس طرح حاصل ہو سکتا ہے اور کن وسائل سے انسان اس کو پا سکتا ہے؟ تو واضح ہو کہ:-

پہلا وسیلہ - جو اس مدعا کے پانے کے لئے شرط ہے وہ یہ ہے کہ خدائے تعالیٰ کو صحیح طور پر پہچانا جائے اور سچے خدا پر ایمان لایا جائے کیونکہ اگر پہلا قدم ہی غلط ہے اور کوئی شخص کسی پرند یا چرند یا عناصر یا انسان کے بچہ کو خدا سمجھ بیٹھا ہے تو پھر دوسرے قدموں میں اس کے راہ راست پر چلنے کی کیا امید ہے سچا خدا اپنے ڈھونڈھنے والوں کو مدد دیتا ہے مگر مردہ مردے کو کیونکر مدد دے سکتا ہے۔ اس میں اللہ جل شانہٗ نے خوب تمثیل فرمائی ہے۔

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ اِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ لِيَبْلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ ط وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ۔

یعنی دعا کرنے کے لائق وہی سچا خدا ہے جو ہر ایک بات پر قادر ہے اور جو لوگ اس کے سوا اوروں کو پکارتے ہیں وہ کچھ بھی ان کو جواب نہیں دے سکتے۔ ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسا کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلا دے کہ اے پانی میرے منہ میں آ جا تو کیا وہ اس کے منہ میں آ جائیگا، سو جو لوگ سچے خدا سے بے خبر ہیں ان کی تمام دعائیں باطل ہیں۔

دوسرا وسیلہ - خدائے تعالیٰ کے اس حسن و جمال پر اطلاع پانا ہے جو باعتبار کمال تام کے اس میں پایا جاتا ہے کیونکہ حسن ایک ایسی چیز ہے کہ بالطبع دل

ں کی طرف کھنچا جاتا ہے اور اس کے مشاہدے سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے، تو حسن
ت باری اُس کی وحدانیت اور اس کی عظمت اور بزرگی اور صفات ہیں، جیسا کہ
سرآن شریف نے یہ فرمایا ہے:۔
قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ
یعنی خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں سب اس کے
حاجتمند ہیں ذرّہ ذرّہ اُس سے زندگی پاتا ہے اور وہ کل چیزوں کے لئے مبدء فیض ہے اور آپ
سی سے فیض یاب نہیں وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیونکر ہو کہ اسکا کوئی ہم ذات نہیں
قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کر کے اور اس کی عظمتیں دکھا کر لوگوں کو توجہ دلائی
ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلوں کو مرغوب ہے نہ کہ مردہ اور کمزور اور کم رحم اور کم قدرت
تیسرا وسیلہ ۔ جو مقصود حقیقی تک پہنچنے کے لئے دوسرے درجہ کا زینہ
ہے خدا تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانا ہے کیونکہ محبت کے محرک دو ہی چیزیں ہیں
حُسن یا احسان اور خدا تعالیٰ کی احسانی صفت کا خلاصہ سورہ فاتحہ میں پایا جاتا ہے
جیسا کہ وہ فرماتا ہے :۔
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ
کیونکر ظاہر ہے کہ احسان کامل اسی میں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو محض نابود سے پیدا کرے
اور پھر ہمیشہ اُس کی ربوبیت اُن کے شامل حال ہو اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو
اور پھر اس کی تمام قسم کی رحمتیں اُس کے بندوں کے لئے ظہور میں آئی ہوں اور اس کا
احسان بے انتہا ہو جس کا کوئی شمار نہ کر سکے، سو ایسے احسانوں کو خدا تعالیٰ نے بار بار جتایا
ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے :۔
وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

یعنی اگر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہیں سکتے۔

چوتھا وسیلہ۔ خدائے تعالیٰ نے اصل مقصود کے پانے کے لئے دُعا کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

یعنی تم دعا کرو میں قبول کروں گا

اور بار بار دعا کے لئے رغبت دلائی ہے تا کہ انسان اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خدا کو خدا کی طرف سے پائے۔

پانچواں وسیلہ۔ اصل مقصود کے پانے کے لئے خدائے تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اس کو ڈھونڈا جائے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع اُن کی تمام طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم وغیرہ تم کو دیا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ، جو لوگ ہماری راہ میں ہر ایک طور سے کوشش بجا لاتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں۔"

چھٹا وسیلہ۔ اصل مقصود کے پانے کے لئے استقامت کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی اس راہ میں درماندہ اور عاجز نہ ہو اور تھک نہ جائے اور امتحانوں سے

اُس کی طرف کھنچا جاتا ہے اور اس کے مشاہدے سے طبعاً محبت پیدا ہوتی ہے، تو حُسنِ ذاتِ باری اُس کی وحدانیت اور اُس کی عظمت اور بزرگی اور صفات ہیں، جیسا کہ قرآن شریف نے یہ فرمایا ہے:۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

یعنی خدا اپنی ذات اور صفات اور جلال میں ایک ہے کوئی اس کا شریک نہیں سب اس کے حاجتمند ہیں ذرّہ ذرّہ اُس سے زندگی پاتا ہے اور وہ کل چیزوں کے لئے مبدءِ فیض ہے اور آپ کسی سے فیض یاب نہیں وہ نہ کسی کا بیٹا ہے اور نہ کسی کا باپ اور کیونکر ہو کہ اسکا کوئی ہم ذات نہیں قرآن نے بار بار خدا کا کمال پیش کر کے اور اس کی عظمتیں دکھا کر لوگوں کو توجہ دلائی ہے کہ دیکھو ایسا خدا دلوں کو مرغوب ہے، نہ کہ مردہ اور کمزور اور کم رحم اور کم قدرت

تیسرا وسیلہ جو مقصودِ حقیقی تک پہنچنے کے لئے دوسرے درجہ کا زینہ ہے خدا تعالیٰ کے احسان پر اطلاع پانا ہے کیونکہ محبت کے محرک دو ہی چیزیں ہیں حُسن یا احسان اور خدا تعالیٰ کی احسانی صفت کا خلاصہ سورۂ فاتحہ میں پایا جاتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ

کیونکہ ظاہر ہے کہ احسان کامل اس میں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنے بندوں کو محض نابود سے پیدا کرے اور پھر ہمیشہ اُس کی ربوبیت اُن کے شاملِ حال ہو اور وہی ہر ایک چیز کا آپ سہارا ہو اور پھر اس کی تمام قسم کی رحمتیں اُس کے بندوں کے لئے ظہور میں آئی ہوں اور اس کا احسان بے انتہا ہو جس کا کوئی شمار نہ کر سکے، سو ایسے احسانوں کو خدا تعالیٰ نے بار بار جتایا ہے جیسا کہ ایک اور جگہ فرماتا ہے:۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا

یعنی اگر خدا تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو ہرگز گن نہیں سکتے۔

چوتھا وسیلہ۔ خدائے تعالیٰ نے اصل مقصود کے پانے کے لئے دُعا کو ٹھہرایا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

اُدْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ

یعنی تم دعا کرو میں قبول کروں گا

اور بار بار دعا کے لئے رغبت دلائی ہے تاکہ انسان اپنی طاقت سے نہیں بلکہ خدا کو خدا کی طرف سے پائے۔

پانچواں وسیلہ۔ اصل مقصود کے پانے کے لئے خدائے تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے یعنی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اور اپنی عقل کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعہ سے اس کو ڈھونڈا جائے، جیسا کہ وہ فرماتا ہے:۔

جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا

یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع اُن کی تمام طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے عقل اور علم اور فہم وغیرہ تم کو دیا ہے وہ سب کچھ خدا کی راہ میں لگاؤ، جو لوگ ہماری راہ میں ہر ایک طور سے کوشش بجالاتے ہیں ہم ان کو اپنی راہیں دکھا دیا کرتے ہیں "

چھٹا وسیلہ۔ اصل مقصود کے پانے کے لئے استقامت کو بیان فرمایا گیا ہے یعنی اس راہ میں درماندہ اور عاجز نہ ہو اور تھک نہ جائے اور امتحانوں سے

ڈر نہ جائے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ۔

یعنی وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ ہمارا رب اللہ ہے اور باطل خداؤں سے الگ ہو گئے پھر استقامت اختیار کی یعنی طرح طرح کی آزمائشوں اور بلا کے وقت ثابت قدم رہے ان پر فرشتے اُترتے ہیں کہ تم مت ڈرو اور مت غمگین ہو اور خوش ہو اور خوشی میں بھر جاؤ کہ تم اس خوشی کے وارث ہو گئے جس کا تمہیں وعدہ دیا گیا ہے ہم اس دنیوی زندگی میں اور آخرت میں تمہارے دوست ہیں۔

اس جگہ ان کلمات سے اشارہ فرمایا ہی کہ استقامت سے خدا کی رضا حاصل ہوتی ہے، یہ سچ بات ہے کہ استقامت فوق الکرامت ہی کمال استقامت یہ ہے کہ چاروں طرف بلاؤں کو محیط دیکھیں اور خدا کی راہ میں جان اور عزت اور آبرو کو معرض خطر میں پائیں اور کوئی تسلی دینے والی بات موجود نہ ہو یہاں تک کہ خدائے تعالیٰ بھی امتحان کے طور پر تسلی دینے والے کشف یا جواب یا الہام کو بند کر لے اور ہولناک خوفوں میں چھوڑ دے، اس وقت نامردی نہ دکھائیں اور بزدلوں کی طرح پیچھے نہ ہٹیں اور وفاداری کی صفت میں کوئی خلل نہ پیدا کریں صدق اور صفات میں کوئی رخنہ نہ ڈالیں، ذلت پر خوش ہو جائیں موت پر راضی ہو جائیں اور ثابت قدمی کے لئے کسی دوسرے دوست کا انتظار نہ کریں کہ وہ سہارا دے، نہ اس وقت خدا کی بشارتوں کے طالب ہوں کہ وقت نازک ہے اور باوجود سراسر بیکس اور کمزور ہونے کے کسی سے تسلی نہ پانے کے سیدھے کھڑے ہو جائیں اور ہر چہ بادا باد کہہ کر گردن کو آگے رکھ دیں اور قضاء و قدر کے آگے

دم نہ ماریں اور ہرگز بے قراری اور جزع فزع نہ دکھائیں جب تک کہ آزمائش کا حق پورا ہو جائے۔ یہی استقامت ہے جس سے خدا ملتا ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس کی رسولوں اور نبیوں اور صدیقوں اور شہیدوں کی خاک سے اب تک خوشبو آرہی ہے، اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ اس دعا میں اشارہ فرماتا ہے:۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

اے ہمارے خدا ہمیں استقامت کی راہ دکھا وہی راہ جس پر تیرا انعام اکرام مترتب ہو جاتا ہے اور تو راضی ہو جاتا ہے۔

اور اسی کی طرف دوسری آیت میں ارشاد فرمایا ہے:۔

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّتَوَفَّنَا مُسْلِمِيْنَ

اے خدا اس مصیبت میں ہمارے دل پر وہ سکینت نازل کر جس سے صبر آجائے اور ایسا کر کہ ہماری موت اسلام پر ہو۔

جاننا چاہیئے دکھوں اور مصیبتوں کے وقت میں خدا تعالیٰ اپنے بندوں کے دل پر ایک نور اتارتا ہے جس سے وہ قوت پا کر نہایت اطمینان سے مصیبت کا مقابلہ کرتے ہیں اور حلاوت ایمانی سے ان زنجیروں کو بوسہ دیتے ہیں جو اس راہ میں ان کے پیروں میں پڑیں۔ جب باخدا آدمی پر بلائیں نازل ہوتی ہیں اور موت کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں تو وہ اپنے رب کریم سے خواہ نخواہ کا جھگڑا شروع نہیں کرتا کہ مجھے ان بلاؤں سے بچا کیونکہ اس وقت عافیت کی دعا میں اصرار کرنا خدا تعالیٰ سے لڑائی اور موافقت تامہ کے مخالف ہے، بلکہ سچا محب بلا کے اترنے سے اور آگے قدم رکھتا ہے اور ایسے وقت میں جان کو ناچیز سمجھ کر اور جان کی محبت کو الوداع کہہ کر اپنے مولیٰ کی مرضی کا بکلی تابع ہو جاتا ہے اور اسکی رضا چاہتا ہے، اسی کے حق میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ

یعنی خدا کا پیارا بندہ اپنی جان خدا کی راہ میں دیتا ہے اور اس کے عوض میں خدا کی مرضی خرید لیتا

ہے وہی لوگ ہیں جو خدا کی رحمت خاص کے مورد ہیں۔"

غرض وہ استقامت جس سے خدا ملتا ہے اس کی یہی روح ہے جو بیان کی گئی جس کو سمجھنا ہو سمجھے!"

ساتواں وسیلہ۔ اصل مقصد پانے کے لئے راستبازوں کی صحبت اور اُن کے کامل نمونوں کو دیکھنا ہے، پس جاننا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کی ضرورتوں میں سے ایک یہ بھی ضرورت ہے کہ انسان طبعاً کامل نمونہ کا محتاج ہے، اور کامل نمونہ شوق کو زیادہ کرتا ہے اور ہمت کو بڑھاتا ہے اور جو نمونہ کا پیرو نہیں وہ سست ہوتا ہے اور بہک جاتا ہے، اسی کی طرف اللہ جل شانہٗ اس آیت میں اشارہ فرماتا ہے:۔

كُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ　　　صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ

یعنی تم اُن لوگوں کی صحبت اختیار کرو جو راستباز ہیں　　　اُن لوگوں کی راہیں سیکھو جن پر تم سے پہلے فضل ہو چکا ہے،

آٹھواں وسیلہ۔ خدائے تعالیٰ کی طرف سے پاک کشف اور پاک الہام اور پاک خوابیں ہیں، چونکہ خدائے تعالیٰ کی طرف سفر کرنا ایک نہایت دقیق در دقیق راہ ہے اور اس کے ساتھ طرح طرح کے مصائب اور دکھ لگے ہوئے ہیں اور ممکن ہے کہ انسان اس نادیدہ راہ میں بھول جائے یا نا امیدی طاری ہو اور آگے قدم بڑھانا چھوڑ دے اس لئے خدائے تعالیٰ کی رحمت نے چاہا کہ اپنی طرف سے اس سفر میں ساتھ ساتھ اس کو تسلی دیتی رہے اور اس کی دلجوئی کرتی رہے اور اس کی کمر ہمت کو باندھتی رہے اور اُس کے شوق کو زیادہ کرے سو اُس کی سنت اس راہ کے مسافروں کے ساتھ اس طرح پر واقع ہے کہ وہ وقتاً فوقتاً اپنے کلام اور الہام سے اُن کو تسلی دیتا اور ان پر ظاہر کرتا ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں تب وہ قوت پاکر بڑے زور سے اس سفر کو طے کرتے ہیں۔ چنانچہ اس بارہ میں وہ فرماتا ہے:۔

لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوۃِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَۃِ

اسی طرح اور بھی کئی وسائل ہیں جو قرآن شریف نے بیان فرمائے ہیں مگر افسوس ہے کہ ہم اندیشۂ طول کی وجہ سے اُن کو بیان نہیں کرسکتے۔

محمد جمیل احمد خان کوکب (شاہجہانپوری)

اسرار قرآن

(از مولٰنا کیفی چریا کوٹی)

جب تمام دنیا طلب علوم میں اغیار کا دروازہ کھٹکھٹائے، مسلمان اپنے گھر سب کچھ پا سکتے ہیں بشرطیکہ ان کی طلب صادق اور قلب میں بصیرت ہو، ایک قرآن مسلمانوں کی تمام بیماریوں کا علاج اور ان کی طفیل میں تمام دنیا کا حاجت روا ہے۔ لا رطب ولا یابس الا فی کتاب مبین کا منشائے بیان یہی ہے ؎

تو ای بیمارِ دردِ دل مسیحا را چہ میجوئی

طبیبِ مہربان اینجا، دوا اینجا، شفا اینجا

بعض متعصب اعتراض کرتے ہیں کہ جن علوم کے استخراج کا دعوےٰ آج مسلمان کرتے ہیں کیا صحابہؓ کبار ان سے واقف نہ تھے؟ اگر تھے تو ان کا سکوت کیا معنی رکھتا تھا؟ اس کا جواب جو علامۂ جوہری نے دیا ہے درج ذیل ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کو تحقیق اور تدقیق، استخراج کے لئے جد و جہد کی ضرورت نہ تھی کیونکہ آفتاب نبوت کی روشنی میں وہ سب کچھ دیکھ سکتے تھے اس وقت جو ان علوم کی تحقیق اور تفتیش کی ضرورت ہوئی اس کے چند وجوہ ہیں۔

اول۔ زمانۂ نبوت کو گزرے ہوئے عرصہ ہوگیا قلوب میں تجلیہ و تصفیہ

کی کیفیت باقی نہ رہی، عقائد میں بھی تزلزل واقع ہوگیا، اخلاق میں بھی خرابی آگئی۔ ہم کو ان بیماریوں کے لئے دوا کی تلاش ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ قرآن میں سب کچھ موجود ہے اس طلب وجستجو کے متعلق بھی قرآن میں یہ ہدایت موجود ہے۔ وجاھدوا فی اللہ حق جہادہ، ھواجتباکم وماجعل علیکم فی الدین من حرج۔ ابتدا سے لیکر ایمان وعقاید امت مسلمہ کے تین درجے سمجھئے

۱۔ زمانہ صحابہ تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس میں نور نبوت شامل تھا۔

۲۔ زمانہ امویین وعباسین اور ان کے دوسرے پیرو اس میں ان لوگوں نے بعد زمانۂ نبوت کی وجہ سے فضا پائے۔ نظریہ وغلبہ کی وجہ سے جہاد کئے۔

۳۔ زمانہ موجودہ میں جس میں عقلیات پر غائر نظر اور تحقیق کی ضرورت ہے۔

دوم ۔عہد صحابہ وتابعین میں مسلمانوں کے مدمقابل کوئی قوم موجود نہ تھی جو صناعات اور ترقی وغیرہ میں منافسہ سے کام لیتی، اس وقت جب ایسی صورت موجود ہے تو قیام توازن کے لئے تحقیق اور تدقیق کی ضرورت پیش آتی۔

سوم ۔مسلمان اب تک یہ سمجھتے رہی کہ علوم دنیا، علوم دین کے منافی ہیں جب ان کو یہ معلوم ہوگیا کہ یہ خیال غلط ہے کہ اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ جیسا کہ خود قرآن میں موجود ہے۔ یعنی سنریھم ایاتنا فی الآفاق و فی انفسھم حتیٰ یتبین لھم انہ الحق۔

ہمارے خیال میں اس جواب کے علاوہ یہ حقیقت بھی ناقابل انکار ہے کہ صحابہ کبار ان تمام علوم پر قرآن کے ذریعہ سے عبور رکھتے تھے، دور خلافت راشدہ پر غور کیجئے اور نظام جہانداری کو سامنے رکھ لیجئے۔ یہ مسئلہ خود بخود صاف ہو رہا ہے۔ اعمال صدیقی، نظام فاروقی، اقوال حضرت اسداللہ الغالب اس دعوے کی کھلی ہوئی

ہیں مثال کے طور پر ذیل کے دو واقعے قابل ذکر ہیں۔

حضرت علیؓ اور علم الاعداد

(۱) ایک یہودی نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سوال کیا وہ کون عدد ہے جس کا نصف ۔ ثلث ۔ ربع ۔ خمس ۔ سدس ۔ سبع ۔ ثمن ۔ تسع ۔ عشر ۔ یعنی $\frac{1}{2}$ $\frac{1}{3}$ $\frac{1}{4}$ $\frac{1}{5}$ $\frac{1}{6}$ $\frac{1}{7}$ $\frac{1}{8}$ $\frac{1}{9}$ $\frac{1}{10}$ عدد صحیح ہو۔ آپ نے فوراً جواب دیا کہ ہفتے کے دنوں کو مہینے کے دنوں میں ضرب دو حاصل ضرب کو سال کے مہینوں کے عدد میں ضرب دو اس کا حل یہ ہے۔

۷ × ۳۰ = ۲۱۰ و ۲۱۰ × ۱۲ = ۲۵۲۰ یعنی ۴ و ۷ و ۹ و ۱۰۔

یہودی یہ جواب سنکر فوراً مسلمان ہو گیا۔

حضرت امام جعفر صادقؓ اور مسئلہ طب کا عجیب حل

(۲) حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلوا واشربوا ولا تسرفوا سے طب کا مسئلہ عجیب حل کیا تھا۔ تیسرا جواب یہ ہے در قرآن حکیم میں وارد ہے ادع الی سبیل ربك بالحكمة والموعظة الحسنة۔ یعنی اے پیغمبر! لوگوں کو حکمت اور اچھی باتوں کے ذریعہ سے اپنی طرف متوجہ کرو۔

اس کی تفسیر یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام حسب ضرورت زمانہ تبلیغ کرتے اور معجزہ دکھاتے رہے۔ حضرت موسیٰ نے معجزۂ عصا اس لئے دکھایا کہ سحر و جادو کا زور تھا حضرت عیسیٰ نے احیاء موتے اس لئے کیا کہ ان کے عہد میں علم طب کی کثرت تھی، حضرت سلیمان کو اتنا بڑا ملک اس لئے عطا کیا گیا کہ سلطنت کے مقابلے میں معجزہ ہو۔

آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مبعوث ہوئے تو علوم کی اشاعت ہو چکی تھی اس لئے آپ نے حکم ادع الی سبیل ربك بالحکمہ کے رو سے منہد کو علم حیثیت سے۔ طب کو طب کی نقطہ نظر سے ماہر فلکیات کو اس علم کے اعتبار سے مورخ کو علم تاریخ کے لحاظ سے اپنی جانب متوجہ فرمایا اور تمام اشخاص کو تحدی بالغیب سے مثلاً ایت غلبت الروم فی ادنی الارض وھم من غلبھم سیغلبون فی بضع سنین۔ چنانچہ جب یہ واقعہ رونما ہوا تو مسلمان بہت خوش ہوئے بضع سنین میں حساب حل کا راز موجود ہے جس کو حضرت ابن عربی نے فتوحات مکیہ میں حل کیا ہے۔

غور کیجئے تو اس میں مجال سخن باقی نہیں رہتی کہ تبلیغ واشاعت کی یہ صورت علوم وفنون پر قدرت اس شخص کی جو امی تھا، لکھنا بھی جانتا تھا۔ معجزہ عجیب وغریب ہے۔

علم تناسب

اس حکمت کی رو سے ہم اس جگہ چند علوم کی تفصیل و تشریح کرتے ہیں۔ قرآن پاک میں ہے ما تریٰ فی خلق الرحمٰن من تفاوت خدا کی مخلوقات میں کچھ تفاوت یا عدم مناسبت نہیں۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ عالم میں جتنی چیزیں ہیں ایک دوسرے کے مزاج میں تناسب ہیں ان کو جسم انسان کے اعضا سمجھئے جو ایک مزاج کے تابع ہوتے ہیں۔ سورج اور زمین میں بھی مناسبت موجود ہے۔ یہ اگر نہ ہوتا تو زمین کی پیداوار تیار نہ ہو سکتی زندگی ناممکن ہو جاتی۔ پس اس آیت کو سامنے رکھکر انسان فہم وادراک علوم کا استخراج کر سکتے ہیں۔

آفتاب کی سیر

۲۔ والشمس تجری لمستقر لھا ذالك تقدیر العزیز الحکیم۔

معلوم کیا گیا کہ آفتاب، زمین، سیارے جہت مجہول اور نقطہ ہیج کی طرف مائل ہیں۔ قرآن نے حرکت کا ذکر کیا۔ یورپ نے پتا لگایا کہ ایک حرکت ایک گھنٹے میں ۲۰ ہزار میل یا اس سے زیادہ ..... ۲ میل منٹ میں ہوتی ہے۔ اس حرکت سے سنین۔ شمسی قطبی وغیرہ پیدا ہوتے ہیں زراعت کا مدار بھی اسی حرکت پر ہے۔

حرکت زمین

۳۔ وتری الجبال تحسبھا جامدۃ وھی تمر مر السحاب۔

اس آیت سے ماہرین فن نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ زمین اور اس کے پہاڑ یا جو کچھ اس میں ہے آفتاب کے گرد گھومتے ہیں یہ حرکت ایک منٹ میں ایک ہزار میل کی رفتار سے ہے زمین پر آباد انسان اس کو جامد اور ساکن خیال کرتے ہیں۔

۴۔ قرآن حکیم میں آفتاب کے ذکر کے سلسلے میں فرمایا گیا ہے۔ اعصار فیہ نار آفتاب میں چشمۂ آتش ہے۔ اہل یورپ نے دریافت کیا ہے کہ "اعصار شمس" میں دہکتے ہوئے آگ ہیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ اس کی شعاع ہوا سے مل کر معتدل روشنی زمین پر پھیلاتی ہے قرآن مجید میں جابجا آفتاب کی قسم کھائی گئی ہے، ماہرین فن نے اس کی طرف توجہ کر کے آفتاب کے نفع وضرر پر کتابیں لکھی ہیں جو نہایت مفید ہیں۔

۵۔ قرآن پاک میں جابجا سایہ کا ذکر ہے اس سایہ سے مسلمانوں نے اور ان کے بعد یورپ نے متعدد علوم اور فنون کا استخراج کیا ہے۔ دھوپ گھڑی سازوں کی ایجاد ہے۔ اسی طرح اور فنون سمجھ لیجیئے۔

سایے سے ایک سوال حل کیا گیا

سوال ایک چڑیا درخت کی چوٹی سے اڑ کر بخط مستقیم زمین پر آئی، ایک خط درخت سے زمین تک قائم ہوا اس کا طول کیونکر دریافت ہو گا۔

جواب درخت کی بلندی اور سایہ کے طول کے ضلعوں کا مربع بنالیں گے۔ دونوں کو جمع کرکے ان کا جذر نکالیں گے۔ یہ جواب اس کا حل ہے۔ فرض کیجئے کہ درخت کی بلندی ۴ میٹر ہے اور سایہ کی ۳ ہے پہلے مربع ۱۶ اور دوسرا کا ۹ ہے دونوں کو جمع (۱۶ + ۹) حاصل جمع ۲۵ ہوگا لہذا اس کا جذر ۵ ہوگا یہی جواب ہے فیثا غورث نے بھی شکل عروس میں یہی مسئلہ حل کیا ہے۔

اصحاب کہف

سورۂ کہف میں جہاں اصحاب کہف کا ذکر کیا گیا اور بتایا گیا ہے کہ وہ ایک پہاڑ کے کھوہ میں رہتے ہیں۔ آفتاب کتراتا ہوا نکل جاتا ہے ان پر دھوپ نہیں پڑتی اس جگہ بھی سایہ کا مسئلہ حل کیا گیا ہے جو طوالت کے خیال سے درج نہیں کیا جاتا۔ اس طرح ہزاروں مسائل ایسے ہیں جو قرآن سے حل کئے گئے اور ہزاروں باقی ہیں جو حل کئے جائیں گے۔ پس اسلام اور قرآن مسلمانوں کے تمام امراض دین و دنیا کے علاج اور تمام حاجتوں کے حاجت روا ہیں۔ ان الارض یرثہا عبادی الصالحون۔ میں ایسی صلاحیت، دینداری اور قانون خداوندی کے سامنے سر جھکانے کی طرف اشارہ ہے یہی کتاب فلسفہ سیاست الاسلام کا منشا و مقصود ہے۔ واللہ الموافق للصواب والخیر العمل۔

ایک عہد

اِنَّ الْعَہْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا

سن ہجری کا آٹھواں سال تھا کہ قریش مکہ نے صلح کی شرائط سے منہ پھیر کر وعدہ خلافی کی۔

قبیلہ بنو بکر کے مددگار ہو کر قبیلہ بنو خزاعہ پر حملہ کر کے معاہدہ پارہ پارہ کر دیا۔ اور ان بیچاروں کو تہ تیغ کر کے شہر بدر کر دیا۔ مظلوموں کے بچے کھچے آدمی بھاگ کر دربار رسول میں امان خواہی و دادرسی کے لئے حاضر ہوئے۔ عمر بن سالم الخزاعی نے پردرد نظم میں اپنی تباہی و بربادی کے تمام حالات یوں سنائے۔

ان قریشًا اخلفوك الموعدا ونقضوا میثاقك الموکدا

قریش نے ایسے وعدہ خلافی کی انہوں نے مضبوط معاہدے کو جو آپ سے کیا تھا توڑ ڈالا

وجعلوا لی فی کدا ء رصدا وزعموا ان لست ادعو احدا

ہمیں خشک گھاس کی طرح پامال کر دیا وہ گمان کرتے ہیں کہ ہماری مدد کو کوئی نہیں آئیگا

وھم اذل واقل عددا ھم بیتونا بالوتیر ھجدا

وہ ذلیل اور قلیل ہیں انہوں نے وتیر میں ہم کو سوتے ہوئے جا لیا

فقتلونا رکعًا وسجدا

ہم کو رکوع اور سجود میں قتل کر دیا

رحمت اللعالمین جو دنیا کو امن و امان۔ صلح و آشتی اور وعدہ وفائی کا سبق پڑھانے آئے تھے فریق مظلوم کی دادرسی۔ معاہدے کی پابندی۔ دوستدار قبائل کی آئندہ حفاظت کی غرض سے رسول برحق مکہ کی جانب روانہ ہو گئے۔ دس ہزار مجاہدین۔ پروانہ ملت۔ فدایان اسلام۔ اسلامی شان و شکوہ کا نمونہ۔ اپنے رہبر دین و دنیا کے ہمراہ مثال پروانہ فدا ہونے کے لئے ہمراہ ہوئے۔ اسلامی پرچم لہرا رہا تھا۔ اصحاب ستاروں کی مانند چاند کے گرد ہالہ بنائے ہوئے تھے۔ غرضکہ یہ شاندار جلوس دین و دنیا کے سردار کی معیت میں بڑے کروفر اور عزو احتشام سے جا رہا تھا۔ خدا کی وہ پیشین گوئی پوری ہوئی۔ جو توریت میں کی گئی تھی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی۔ کہ اہل مکہ کو اس آمد کی خبر نہ ہونے پائے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ مکہ کے قریب پہنچکر شاہی لشکر نے ڈیرا ڈالدیا۔ اور اہل مکہ کو باخبر کرنے کے لیئے لشکر میں الاؤ روشن کیا۔ جیسا کہ اس زمانہ کا دستور تھا۔ اس کے روشن ہونے سے اہل مکہ کو معلوم ہو گیا۔ مگر کسی کو جرارت نہ ہوئی کہ مد مقابل ہوتا۔

طلوع آفتاب پر حضور نے حکم نافذ فرما کر مختلف رستوں سے اپنے فوجی دستوں کو داخل ہونے کا حکم صادر فرمایا اور نہایت پابندی سے حکم پر عمل درآمد ہونے کا حکم دیا۔ وہ احکام نبوی یہ تھے۔ کہ کوئی شخص جو خانہ کعبہ میں ہو۔ اپنے گھر میں ہو۔ ابوسفیان کے گھر میں ہو۔ حکیم بن خدام کے گھر میں ہو۔ زخمی ہو۔ اسیر ہو۔ قتل نہ کیا جائے۔

شہر مکہ میں داخل ہونے والے دستوں میں سے صرف وہ دستہ جو خالد بن ولید کی معیت میں تھا اسکو مقابلہ کرنا پڑا۔ باقی سب دستے بخیر و خوبی مکہ میں داخل ہو گئے مقابلہ میں دو مسلمان اور ۲۸ مقابل کام آئے۔

دنیا کا بہترین انسان۔ خدا کا برگزیدہ رسول۔ رحم و انصاف کا مجسم ۲۰ رمضان المبارک کو اشراق کے وقت اس شہر میں بڑی شان و شوکت۔ عزو جاہ سے داخل ہوتا ہے۔ جس میں سے دشمنوں نے تن تنہا۔ بے یار و مددگار جانے پر مجبور کیا تھا۔ اونٹ پر سوار ہے۔ منہ میں سورۃ الفتح جو صلح حدیبیہ کے وقت نازل ہوئی تھی۔ ورد زبان ہے۔ دل تشکر و امتنان سے لبریز ہے۔ سب سے پہلے خانہ خدا کا رُخ کرتا ہے۔ جس کی تڑپ دل میں تھی جہاں منکرین انہیں داخلی کرنے سے روکتے تھے۔ جس کے گرد ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے داخل ہو کر بتوں کو اپنی چھڑی سے گرا دیا۔ یہ عمل کرتے وقت یہ آیت وردِ زبان مبارک بھی

جاء الحق و زھق الباطل۔ ان الباطل کان زھوقا

کلید بیت اللہ عثمان بن طلحہ کے پاس تھی۔ اس سے لیکر بیت الٰہی کو کھولا اور جوش مسرت

سے اس کے اندر چاروں طرف اللہ اکبر کے پرجوش نعرے لگائے اور دوگانہ ہمار شکرانہ ادا کیا اور رب العزت کے سامنے سرنیاز خم کیا۔

اللہ اللہ۔ ایک وہ وقت تھا۔ جبکہ حضور کو کعبہ کی طرف دیکھنے کی ممانعت تھی یا اب مالکِ کعبہ نے خود سپرد کر دیا۔ اللہ غنی! کیا شانِ الٰہی ہے۔

اس وقت میں تمام سردار مکہ اور بڑے بڑے لوگ جمع ہو گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سینکڑوں مسلمانوں کو قتل کیا اور کروایا۔ گھر سے بے گھر کیا۔ اذیتیں پہنچائیں تھیں۔ دین اسلام کو تباہ کرنے اور مسلمانوں کو برباد کرنے کے لئے ۔ نجد اور یمن کے دور دراز سفر گوارا کئے تھے۔ یعنی وہ جری۔ بہادر۔ کینہ ور اور سخت دل لوگ تھے۔ جو مسلمانوں کو زر سے۔ مال سے۔ زور سے۔ تدبیر سے۔ ہتھیار سے۔ تزویر سے فنا اور برباد کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے تھے۔ اور اپنی ناپاک کوششوں میں متواتر منہمک رہتے تھے۔ آج وہ کس حالت میں کس کے دربار میں یوں عاجز بنے کھڑے تھے۔ جس کے حد درجہ مخالف اور دشمنِ جاں تھے۔

خدا کا پیارا رسول۔ دنیا کا ہادی جسے خدا نے دنیا کے لئے رحمت بنایا تھا۔ عبادت سے فارغ ہو کر باہر جلوہ گر ہوا۔ وہ ماہ منور جو ظلمت اور کفر کی گھٹا ٹوپ گھٹاؤں میں پنہاں تھا۔ آج اپنے خدا اور قوتِ بازو سے باہر نکل آیا۔

توحید کا ڈنکا عالم میں بجوا دیا کملی والے نے

قل لا الہ اللہ فرما دیا کملی والے نے

اور اس گردن زدنی و کشتنی جماعت سے مخاطب ہو کر فرمایا۔ جس کا مطلب یہ ہے۔

اسے جماعتِ قریش۔ خدا نے تمہاری جاہلانہ نخوت اور آباؤ اجداد پر اترانے

کا غرور آج توڑ دیا ۔ سچ تو یہ ہے ۔ کہ سب لوگ آدم کی اولاد ہیں ۔ اور آدم مٹی سے
گیا ہے ۔ خدا فرماتا ہے ۔ اے لوگو ہم نے تم کو مرد اور عورت سے پیدا کیا اور ذات اور
قبیلے سب پہچان کے لئے بنا دیئے ۔ خدا کے ہاں تو اس کی عزت زیادہ ہے ۔ جنہیں تقویٰ
زیادہ ہے ۔

ازاں بعد فرمایا ۔ جاؤ تم آج سے آزاد ہو ۔ اور تم پر کوئی مواخذہ نہیں ۔ اس دن
ایسے ایسے مجرموں اور خطا کاروں کو معافی دی گئی ۔ جن کی بخشش کی کوئی راہ نہ تھی ۔ چنانچہ
ہندہ ابو سفیان کی زوجہ جس نے حضرت کے چچا حمزہ رضی کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا ۔ اور کان
ناک کاٹ کر گلے کا ہار بنایا تھا ۔ معاف کیا گیا ۔

اللہ ۔ اللہ ۔ کیا شان کریمی ہے ۔ خون کے پیاسوں کو یوں بے لاگ چھوڑ
دیا جاتا ہے کہ گویا وہ ملزم تھے ہی نہیں ۔ ایسا رحیم بادشاہ تاریخ کو ڈھونڈھنے سے ہرگز
ہرگز نہیں ملے گا ۔ قربان جاؤں ! اس رحم کرنے والے پر رحم کیا ۔ کن پر ۔ ان پر جو خون کے
پیاسے تھے ۔ جنہوں نے مکہ میں رہنا آپ کو مسلمانوں کو دوبھر کر دیا تھا ۔ اور وہ اذیتیں
پہنچائیں تھیں ۔ جن کے تصور سے ہول اٹھتا ہے اور شدت درد سے کلیجہ منہ کو آتا ہے ۔
کہاں ہیں ۔ وہ دعویدار جو کہا کرتے ہیں ۔ کہ اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے ۔ آئیں ۔ اور
چشم بصیرت کھول کر دیکھیں ۔ کہ دشمنوں سے کیا سلوک روا رکھا جاتا ہے ۔ کیا کوئی ایسی
مثال تاریخ پیش کر سکتی ہے ۔

علاوہ ازیں ۔ وہ مہاجرین جو مکہ کو خیر باد کہتے وقت اپنے گھر بار چھوڑ گئے تھے ۔
اور کفار ان پر قابض ہو گئے تھے ۔ واپسی کا سوال پیش کیا ۔ لیکن حضور نے خندہ پیشانی
سے فرمایا کہ جو تم خدا کی راہ میں قربان کر چکے ہو ۔ ایک آخرت میں بدلے کے خواہشمند ہو ۔
دنیا میں اس کے متمنی کیوں ہوتے ہو ۔ سبحان اللہ ۔ کیا نفس کشی کی تعلیم ہے ۔

بعد ازاں کوہ صفا پر بیٹھکر مسلمان ہونے والوں کی بیعت فرمائی۔ اس وقت حضرت عمر فاروق رضؓ ایک ایک شخص کو باری باری پیش کرتے تھے۔ بیعت کرنے والوں کو اقرار کرنا پڑتا تھا کہ میں خدا کے ساتھ کسی کو بھی اس کی ذات میں صفات میں۔ اور استحقاق عبادت اور استحقاق اعانت میں شریک نہ کروں گا۔ چوری۔ زنا۔ خون ناحق۔ دختر کشی نہ کرونگا۔ کسی پر تہمت نہ لگاؤنگا۔ اس دن آنحضرت نے مکہ کو ہی فتح نہ کیا۔ بلکہ خلق محمدی اور عفو و رحم مصطفوی نے اہلِ مکہ کے دل کو مسخر کر لیا۔

سچ ہے۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است   از ہزاران کعبہ یک دل بہتر است

مندرجہ بالا باتیں گو مردوں کے لئے تھیں۔ اب ناظرین صف نازک کی طرف بھی آئیں! اور ملاحظہ فرمائیں۔ کہ اسلام نے جو حقوق مردوں کو دیئے تھے۔ وہی مستورات کے لئے بھی تھے۔ مکہ کی عورتیں حضور کے پاس آئیں۔ اور بیعت کے طالب ہوئیں۔ چونکہ پیشتر ازیں کوئی حکم اس بارے میں نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے حضور خاموش تھے۔ اسی وقت حضرت جبرئیل مندرجہ ذیل آیت لیکر نازل ہوئے۔

يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ
اے نبی جب آویں تیرے پاس مسلمان عورتیں۔ بیعت کریں تیری اس شرط پر کہ نہ شریک ٹھیراویں

بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ وَلَا يَقْتُلْنَ اَوْلَادَهُنَّ وَلَا يَاْتِيْنَ
اللہ کا کسی کو اور نہ چوری کریں اور نہ زنا کریں اور نہ قتل کریں اور نہ   اور نہ بہتان

بِبُهْتَانٍ يَّفْتَرِيْنَهٗ بَيْنَ اَيْدِيْهِنَّ وَاَرْجُلِهِنَّ وَلَا يَعْصِيْنَكَ فِيْ مَعْرُوْفٍ
کے باندھ لیویں اس کو درمیان اپنے ہاتھوں کے اور اپنے پاؤں کے اور نہ نافرمانی کریں تیری

فَبَايِعْهُنَّ وَاسْتَغْفِرْ لَهُنَّ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

نیک کام میں بیعت قبول کر ان سے اور بخشش مانگ ان کے لئے اللہ سے یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان
پانچ شرطیں بیعت کی مقرر ہوئیں چونکہ خدائے علیم جانتا تھا۔ کہ یہ عیوب فطرتی طور پر عورت سے وابستہ ہیں۔ عورت کی فطرت ایسی ہے۔ کہ جس حکم یا ارادے پر سختی سے کاربند ہو جائے۔ پھر دنیا کی کوئی طاقت اس سے برگشتہ نہیں کر سکتی۔

پہلی شرط۔ شرک سے ممانعت ہے۔ شرک دو قسم سے ہے۔ ایک جلی دوسرا خفی۔ جلی تو ظاہرہ شرک ہے جو انسان کو دیدہ و دانستہ معلوم ہوتا ہے۔ بدقسمتی سے ہماری مستورات باوجود تعلیم یافتہ ہونے کے اس سے باز نہیں آتیں۔ پیروں کی پوجا کی جاتی ہے۔ مزاروں پر چڑھاوے چڑھائے جاتے ہیں۔ فالیں نکلوائی جاتی ہیں پروردگار عالم اپنی رحمت کاملہ سے چوروں۔ ڈاکوؤں۔ دغابازوں۔ سیہ کاروں کو بخش دیگا۔ لیکن اس شخص کو ہرگز نہ بخشیگا۔ جس نے اُس کی ذات میں کسی کو شریک کیا ہو۔ یاد رکھو۔ مرادوں کا دینے والا۔ آرزوں کا پورا کرنے والا۔ تمناؤں کا برلانے والا صرف وہی ایک واحد خدا ہے۔ تمام بڑے بڑے اولیا اصفیا۔ انبیا سب اسی کے محتاج ہیں۔ وہ خود فرماتا ہے۔

الله غنی و انتم الفقرا

اللہ غنی ہے اور تم سب اسی کے محتاج ہو

وہ ہے ذات واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق

سمجھ میں نہیں آتا۔ کہ اس مالک دو جہاں قاضی الحاجات اور مشکلکشائے حقیقی کا دروازہ چھوڑ کر دوسرے آستانوں پر جو اسی کے خلق کئے ہوئے اور اسی کے بندے ہیں۔ کس لئے جبہ سائی کی جائے۔ حضور کا آخری پیغام جس کا اردو زبان میں

حالی صاحب مرحوم نے یوں نقشہ کھینچا ہے۔

بنا نا نہ تربت کو میری صنم تم | نہ کرنا میری قبر پر سر کو خم تم
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم | کہ بیچارگی میں برابر ہیں ہم تم

مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی

پس ناظرین وناظرات اس پیغام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ کہ رسول خدا نے قبر پرستی اور صنم پرستی کو کس طرح منع فرمایا ہے۔ بڑے ہی رنج کی بات ہے۔ کہ ہماری بہت سی بہنیں محمد کی امت ہو کر کلمہ گو ہو کر اولیاء و بزرگان دین کی مزاروں پر جا کر مراد مانگتی۔ سجدے کرتی۔ چڑھاوے چڑھاتی اور خدا جانے کیا کیا مشرکانہ الفاظ وکلمات زبان سے نکالتی ہیں۔

قبر پرستی اور پیر پرستی کا مرض عورتوں کو خاص طور پر بہت ہے۔ آخر ہم میں یہ جہالت وضلالت کس لئے ہے۔ اس لئے کہ آج سے چودہ سو برس پہلے جو پیغام توحید اس خدا کے مقیم یتیم ومسکین۔ امی لقب بادیہ نشین نے پہنچایا تھا اس کو بھول گئے ہم نے اس پیغام توحید کی صحیح معنوں میں تبلیغ واشاعت نہیں کی۔ جس طرح چاہئے تھا۔ اس طرح تلاوت نہیں کی۔ وہ پیغام جو رسول کی معرفت ہم کو دیا گیا تھا۔ اپنی زبان میں نہ ہونے کے باعث محض لاپرواہی سے پس پشت ڈال دیا ہے۔ کہاں ہیں۔ وہ روحیں جو اس حالت کو دیکھکر تڑپ رہی تھیں۔ آئیں اور متحد ہو کر اس کی تبلیغ واشاعت میں پورے طور سے منہمک ہو جاویں۔ مجھے تو اپنی حالت دیکھکر رونا آتا ہے۔ مسلمان پڑھی لکھی ماؤں کی گودوں میں پرورش پائیں۔ اور پھر نام کے مسلمان ہوں۔ کیا وجہ ہے یہی وجہ ہے جو میں عرض کر رہی ہوں۔ کاش قوم کے دل میں احساس ہوتا! اس کمی کو

محسوس کرتے اور دنیاوی تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم سے بھی اپنی بیٹیوں کو بہرہ اندوز کرتے۔

کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا ۵

اے دنیا کی کشتی کے ناخداؤ۔ خدارا ہوش میں آؤ۔ آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ دین کی کشتی ضلالت کے موجوں میں تھپیڑے کھا رہی ہے۔ اٹھو اور پوری طاقت سے اٹھو جہاں کو بتلادو۔ کہ یوں بڑھا کرتے ہیں۔

دوسری اور تیسری شرط تو کوئی تشریح کے قابل نہیں۔ وہ تو یہ کہ جس کو قدرت نے عقل سلیم عطا کی ہے۔ نفرت کی نگاہ سے دیکھتا اور گریز کرتا ہے۔

چوتھی شرط۔ اولاد کے قتل کے بارے میں ہے۔ اس زمانہ کے اہل عرب لڑکیوں کو زندہ درگور کیا کرتے تھے اس لئے ممانعت ہوئی۔

قتل دو قسم سے ہے۔ ایک جلی دوسرا خفی۔ جلی تو یوں ہوا۔ کہ جان سے مار دینا۔ اور دوسرا قتل ہے۔ کہ اولاد میں وہ اصاف بد پیدا کرلے کے ان کی دینی حالت بد سے بدتر ہوکر ان کا نفس قتل ہو جائے۔

چونکہ بچوں کی نگرانی عورتوں کے ذمہ دی گئی ہے۔ اور پہلا مدرسہ۔ پہلا استاد دنیا میں انسانی نسل کا ماں ہے۔ اگر ماں بہتر ہوگی۔ تو اولاد خود بخود اچھی ہوگی۔ اگر ماں میں وہ اوصاف نہیں ہیں۔ جو ایک کامل انسان میں ہونے چاہئیں تو جاننا چاہیئے کہ اس کا بچہ کبھی بھی کامل نہیں ہوسکتا۔ پس آپ ہزاروں مردانہ درسگاہیں بنا لیئے۔ بڑے بڑے کالج کھولیئے۔ دنیا میں وعظ ونصیحت کا بازار گرم کیجیئے۔ لیکن کماحقہ فائدہ جب تک نسوانی فضا دینی عالم نہ ہوگی۔ ناممکن اور غیر ممکن ہے۔ کبھی آپ نے سنا ہے۔ کہ جو بوئے گئے ہوں اور گندم کاٹی گئی ہوں۔ پس اس لئے ضروری تھا۔ کہ عورتوں سے یہ عہد لیا جاتا۔ اور وہ عہد آج تک قائم ہے۔ امت محمدیہ کی ماؤں کیلئے

بھی خدا کا قرآن پکار پکار کر بلند آواز کہہ رہا ہے۔ ولا یقتلن اولادھن۔
حدیث نبوی سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ نیک اور بہترین اولاد والدین کی نجات کا باعث ہوتی ہے حضور فرماتے ہیں۔ کہ جب کوئی انسان فوت ہو جاتا ہے۔ تو اس کا اعمال نامہ بند کر دیا جاتا ہے لیکن تین شخصوں کا بند نہیں کیا جاتا۔ چنانچہ اس میں سے ایک وہ ہستی بھی ہے جس کی اولاد دیندار ہو۔

پس اے میری پیاری بہنو۔ محترم بیبیو۔ قابل عزت ماؤں اپنی اولاد کو اس طریقہ سے پرورش کرو۔ اس طرز سے اُن کی اٹھان اٹھاؤ۔ کہ وہ بڑے ہو کر سچے اور پکے مسلمان ثابت ہوں۔ دنیا کی کوئی طاقت کوئی لغزش ان کو ڈگمگا نہ سکے۔ کس کا دل اس بات کا طالب نہیں ہوتا کہ اس کی اولاد نیک ہو۔ تعلیم اور چیز ہے تربیت اور چیز ہے۔ تعلیم تو انسان بڑا ہو کر بھی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن تربیت وہی جو بچپن سے ماں کے دودھ میں پاتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے۔ جو انسان کو آدمیت سکھاتی ہے انسانیت کے جوہر پیدا کرتی اور اسی چیز کا مادہ ودیعت کرتی ہے۔ جو مایہ فخر اور تمیز ہے اگر یہ کہا جائے تو بہت بہتر ہوگا کہ علم ایک پھل ہے اور تربیت اس کا ذائقہ ہے۔ اگر میٹھا ہے تو قبول ہے۔ ورنہ بصورت دیگر عالم بھی کسی کام کا نہیں۔ بقول ناسخ ؎

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ
پست قامت ہو تو ہو۔ پر پست ہمت وہ نہ ہو

فیروزہ بیگم بی۔ اے

قرآن

تفسیر کیا ہے؟ آیات قرآنی کی شرح، لفظی معنوی حیثیت سے رموز و نکات کا بیان۔
قرآن کا ادبی پایہ کیا ہے؟ خدا کا کلام ہے، اس کا مثل انسانی قوت سے باہر ہے وہ معجزہ ہے، محیر العقول ہے، اس کے سمجھنے کے لئے عربی زبان کی مہارت، خصوصیات و ضروریات زبان پر عبور کامل کی حاجت ہے۔ اصطلاح لغت و زبان کے اعتبار سے قرآن کی تفسیر صرف آئمہ لغت کر سکتے ہیں زبان اور لغت کے علاوہ قرآن میں علوم کثیرہ بھی ہیں جن کا علم مفسر کو ضروری ہے اس کا بیان علم تفسیر کے سلسلے میں آیا ہے۔
ایک طرف تو یہ اہمیت اور گرانی ہے دوسری طرف یہ سوقیت اور ارزانی ہے کہ ہر اردو خوان جس نے بمشکل سے اردو کی پہلی کتاب ختم ہوگی وہ قرآن دانی کا مدعی مفسر ہے۔ حلال معنی ہے۔ مجتہد ہے، امام ہے۔
اس قرآن فہمی کا یہ عالم ہے کہ اکثر دو متضاد مسئلے ایک ہی آیت سے حسب ضرورت ثابت کئے جاتے ہیں۔ مثلاً ایک شئے کی حرمت ایک آیت سے ثابت کی جاتی ہے ضرورت ہوتی ہے تو وہی شئے اس آیت سے حلال بھی کر دی جاتی ہے۔ اسی طرح اور امور تفسیر کو قیاس کیجئے۔ اس خصوصیت کو پیش نظر رکھکر تمام قرآن پر ان دشمنان اسلام اعدائے دین کا قبضہ ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس کا سد باب نہ کیا تو کچھ ہی دنوں کے اندر قرآن کی وقعت دوسرے مذاہب والوں کے سامنے نہایت افسوسناک ہو جائیگی۔
مسلمانان ہندوستان کو خصوصیت کے ساتھ ان مفسرین اور مترجمین کو

قرآن کی اس توہین اور اسلام کی ذلیل سے روکنے کے لئے کوئی انجمن بنانا چاہیے۔ یا کوئی اور صورت سوچنا چاہیئے۔

قرآن پاک کو صرف محاورات کی نقطۂ نظر سے دیکھئے تو اس کے الفاظ وسیع المعانی کا ترجمہ محدود اور مختصر زبان اردو میں بہت مشکل ہے۔ ابن الفارس نے فقہ اللغتہ میں لکھا ہے کہ عربی زبان تمام زبانوں سے وسیع ہے، اس کے استعارات، تمثیل، تقدیم و تاخیر کا خیال کیا جائے تو اس کا ترجمہ عجمی زبان میں ناممکن ہے۔

عربوں کے نزدیک قلب حروف ہے۔ مثلاً سوعاد نہیں کہتے بلکہ کہتے ہیں، دو ساکنوں کے درمیان ترک جمع یہ بھی عربی ہے۔ حالانکہ عجمی زبان میں ایک ساتھ تین تین ساکن آتے ہیں۔

ایک صورت ادغام اور تخفیف کلمہ کی بھی ہوتی ہے لم یك ولم ابل اضمار افعال بھی ایک صورت ہے۔

اسی طرح سینکڑوں سے زیادہ شکلیں ہیں اگر ان کا ترجمہ کیا جائے اور خصوصیت زبان پیش نظر رکھی جائے تو عجمی زبان میں ان کا کیونکر کر سکتی ہیں۔ اس کے علاوہ الفاظ کی کثرت اور اس کا تعدد اور اس تعدد میں معنیٰ کے اعتبار سے کچھ فرق ایسے امور ہیں جن کا ترجمہ اردو زبان کی بس سے ظاہر ہے۔

کثرت الفاظ کے اعتبار سے، ایک شیر کے لئے ہمارے خیال میں ڈیڑھ سو الفاظ ہیں۔ عبداللہ بن خالویہ ہمدانی کی رائے ہے کہ شیر کے لئے پانچسو اور سانپ کے لئے دوسو الفاظ ہے۔ اصمعی نے پتھر کے لئے ستر الفاظ بیان کئے ہیں۔ اسی طرح اکثر خصوصیات ہیں جن کا ذکر بحث کو بہت طویل کر دیگا۔ اس جگہ چند خصوصیات کا ذکر ضروری ہے اس خصوصیات کے اعتبار سے قرآن حکیم کی بعض آیتوں کی بھی تشریح کی جائے گی۔

ابن فارس کی رائے ہے کہ بعض محاورات، عرب ایسے بھی استعمال کرتے ہیں کہ اس کا مفہوم دوسری زبانوں میں الفاظ اور معنی نہیں مثلاً عربی زبان میں بولا جاتا ہے۔ عاد فلان شیخًا۔ فلاں شیخ پھر بوڑھا ہوگیا، بوڑھاپے کی طرف لوٹ جانا۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ محاورہ حقیقت سے دور ہے، کوئی شخص بڑھاپے کی طرف لوٹتا نہیں البتہ بوڑھا ہو جاتا ہے لفظ "عود" کے لئے اردو میں لوٹنے، واپس ہونے، پھرنے کے علاوہ الفاظ نہیں لیکن یہ الفاظ لفظ "عود" کو جو مناسبت شیخ سے ہے ظاہر نہیں کر سکتے۔ قرآن حکیم میں ہے

حتی عاد کالعرجون القدیم ـــــ یہ معلوم ہے پہلے عرجون کا ہونا ثابت نہیں۔ دوسری جگہ حضرت شعیب کا مقولہ قرآن کی زبان سے اس طرح ہے۔ ان عدنا فی ملتکم۔ حالانکہ ان کی ملت میں کبھی رہنا واقعہ کے خلاف۔

۲

عربی میں اسماء۔ افعال۔ حروف کا اضافہ بھی رائج ہے۔ قرآن میں ہے ویبقیٰ وجہ ربك میں وجہ زیادہ ہے جو صرف "یبقیٰ ربک" کے معنے میں ہے لیس کمثله شیئ میں "ك" زاید ہے۔ وشھد شاھد من بنی اسرائیل علیٰ مثله، میں بہ ظاہر حرف "علیہ" ہونا چاہئے تھا۔

۳

عربی میں یہ بھی قاعدہ ہے کہ واحد بول کر جمع مراد لی جائے مثلاً لفظ "ضیف" مہمان سے ایک مراد لی جاتی ہے۔ قرآن میں ہے۔ "ھٰؤلاء ضیفی" کبھی اس کے مراد ہوتی ہے، یعنی جمع بولکر واحد یا تثنیہ مراد لیتے ہیں قرآن میں ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَکَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ۔ حالانکہ ندا کرنے والا شخص واحد تھا جس کو ضمیر جمع مذکر غائب سے ظاہر کیا ہے۔ اس جگہ اکثر مترجمین اور مفسرین کو التباس ہو جاتا ہے۔ اس لفظ جمع کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ندا کرنے والے متعدد صحابی تھے، حالانکہ واقعہ کے بالکل خلاف ہے۔ اس التباس کی وجہ محاورہ سے ناواقفیت ہے۔ یہ حالت تو اُن مفسرین کی ہے جو عربی سے واقف ہیں ان کے متعلق کیا کہا جائے جو جہل مرکب کی امداد سے قرآن میں دست اندازی کی جراءت کرتے ہیں۔

۴

کبھی واحد کو ضمیر جمع سے خطاب کرتے ہیں، یہ تعظیم کے موقع پر مستعمل ہے مثلاً قرآن میں ہے قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ۔

۵

کبھی جمع اور واحد کو تثنیہ سے ظاہر کرتے ہیں۔ قرآن میں ہے اِنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا۔ سموات اور عرض کے لئے لفظ "هما" تثنیہ کا استعمال کیا۔

۶

صنعت التفات قرآن پاک میں اکثر مقامات میں ہے۔ صنعت التفات میں خطاب حاضر سے غائب کی طرف۔ کبھی غائب سے حاضر کی طرف ہوتا ہے قرآن پاک میں ہے فَاِنْ لَّمْ یَسْتَجِیْبُوْا لَكُمْ فَاعْلَمُوْا۔ اس آیت میں "لکم" سے خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے پھر "اعلموا" سے کفار کو مخاطب کیا ہے۔

۸

کبھی ایک فعل کی نسبت دو کی طرف کی جاتی ہے لیکن اس سے ایک شئے مراد ہوتی ہے۔ جیسے قرآن میں ہے۔ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ۔

کبھی جمع طرف نسبت ہوتی ہے لیکن اس سے شئے واحد مقصود ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے۔ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا حالانکہ اس میں قاتل واحد ہے۔

کبھی یہ ہوتا ہے کہ فعل جمع لاتے ہیں اور تثنیہ کا ذکر کرکے صرف ایک ہی مراد لیتے ہیں قرآن میں ہے واللہ ورسولہ احق ان یرضوہ

کبھی فعل ماضی سے مضارع حال یا استقبال مراد لیے جاتے ہیں اور لفظ مستقبل سے ماضی مراد لیتے ہیں قرآن میں ہے۔ " اتی امر اللہ یہاں " اتی " بمعنی " یاتی " آنے والا ہے۔ کُنْتُمْ خَیْرَ اُمَّةٍ " سے " اَنْتُمْ خَیْرُ اُمَّةٍ " مراد ہے۔ مَا تَتْلُوْا الشَّیَاطِیْنُ " میں " ما تتلوا " بمعنی " ما تلت " ہے

۹

کبھی فاعل بمعنی مفعول اور مفعول بمعنی فاعل آتا ہے۔ مثال اول قرآن پاک میں " ماءٍ دافق " بمعنی " مدفوق " حرمًا امنًا۔ بمعنی " امن " بمعنی مامون ہے۔ مثال دوم میں عیش مقبول بمعنی قابل ہے۔

۱۰

کبھی مصدر " امر " کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے قرآن میں ہے " فضرب الرقاب " میں ضرب بمعنی اضرب ہے۔ کبھی فاعل مصدر کے معنی میں آتا ہے۔ قرآن میں ہے " لیس لوقعتها کاذبة " کاذب بمعنی تکذیب ہے۔ کبھی مفعول بمعنی فاعل آتا ہے

جیسے "حجاباً مستورا" بمعنی ساترا ہے۔

۱۱

کبھی غیر ذوی العقول، ذوی العقول سے بیان کئے جاتے ہیں۔ قرآن میں ہے
وکل فی فلك یسبحون۔ حالانکہ۔ سورج۔ چاند۔ ستارے۔ غیر ذوی العقول
ہیں لیکن اس آیت میں ذوی العقول ظاہر کئے گئے ہیں۔

کبھی تقدیم بمعنی تاخیر اور تاخیر بمعنی تقدیم ہوتی ہے۔ قرآن میں ہے۔
ولولا کلمۃ سبقت من ربك لكان لزاما واجل مسمی۔ اسی
طرح بیشمار اصطلاحات اور محاورات ہیں جن کا احصا بہت مشکل ہے۔ اس کے بعد
اب خیال کرنا چاہیئے کہ جو لوگ اپنے جہل مرکب کو معیار علم بنا کر قرآن فہمی کا دعوےٰ
کرتے ہیں وہ حقیقت سے کتنی دور ہیں اور وہ کس قسم کے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔

تفسیر قرآن

لغات و نکات قرآن کے اجمالی بیان کے بعد علم التفسیر کا ذکر اس موضوع کو
اور زیادہ صاف کر دیگا۔ مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۳۶۶ میں علم التفسیر کے متعلق
ایک بسیط تقریر ہے اُس کا خلاصہ یہ ہے۔

قرآن لغات عرب اور ان کے بلاغت کے اسلوب کے مطابق نازل ہوا ہے
اہل عرب اس کے رموز و نکات، محاورات، مفردات و مرکبات کو سمجھتے تھے۔

نزول قرآن کی صورت یہ تھی کہ اس کی آیتیں حسب ضرورت بیان توحید و
فرائض دینیہ کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتی رہیں، ان آیات کا منشا، حضرت

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے رہے اور اس کے رموز واسرار سے آپ کے صحابی واقف ہوتے رہے۔ مثلاً جب آیت " اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰہِ " نازل ہوئی تو سمجھنے والوں نے سمجھا کہ یہ حقیقتاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی پیشگوئی ہے۔ ان خصوصیات کو پیشِ نظر رکھکر اصحاب کے بعد تابعین نے ایک سلسلے میں منسلک کیا۔ اس موضوع پر کتابیں لکھی گئیں اور یہ علم ایک مستقل فن بن گیا۔

اتمام الدرایہ شرح نقایہ میں امام سیوطی لکھتے ہیں۔ متقدمین میں شیخ الاسلام جلال الدین بلقینی پہلے شخص ہیں جنہوں نے مواقع العلوم میں اس علم کو مدون کرکے باقاعدہ مستقل فن بنایا ہے۔

علم تفسیر وہ فن ہے جس میں قرآن مجید کا حال بہ حیثیت قرآن ہونے کے بیان کیے جاتے ہیں اور جس قدر امکان بشر ہے۔ خدائے بے نیاز کا مقصود ظاہر کیا جاتا ہے۔

اس کے مبادی صرف و نحو، لغت و معانی، فقہ، اصول، حدیث، کلام وغیرہ ہیں۔

واجبات تفسیر

جو شخص قرآن حکیم کی تفسیر بیان کرنے کی جرات کرے اس کو چاہیے کہ پہلے حسب ذیل امور کو پیش نظر رکھ لے۔

شانِ[1] نزول۔ نسخ[2]۔ توجیہ[3] مشکل۔ شرح[4] غریب۔ حذف[5]۔ ابدال[6]۔ علم[7] محاورات محکم[8] و متشابہ۔ اختلاف[9] قرات۔ طبقات[10] قراء۔ قراء[11] سبعہ اور ان کے تلامذہ۔

قرآن کی سورتوں کی تقدیم و تاخیر باعتبار نزول - قرآن میں بعض محفوظا کی ترتیب کا لحاظ ہے - قرآن کے اوقات و مصلحات -

ان امور میں صرف دو پر بحث کی جاتی ہے، تاکہ یہ ثابت ہو جائے کہ یہ کس قدر ضروری ہیں - کل پر اس لئے بحث نہیں کی جاتی کہ مقدمہ بہت طویل ہو جائیگا - دو امور زیر بحث نسخ اور توجیہہ مشکل ہیں -

نسخ

نسخ کے معنے لغت میں کسی شئے کا ابطال ہے - لیکن اصطلاح میں اس کا اطلاق حسب ذیل معنوں پر ہوتا ہے -

(۱) ایک آیت کا وصف دوسری آیت سے انتہائے عمل میں بدل جانا -

(۲) معنی متبادر چھوڑ کر غیر متبادر معنی مراد لینا -

(۳) کسی قید یا شرط کا اتفاقاً بیان کر دینا -

(۴) عام کو خاص بنانا -

(۵) جاہلیت کی رسم مٹانا -

(۶) پہلی شریعت اٹھا دینا -

ان اعتبارات کو پیش نظر رکھکر اکثر علماء نے پانچسو آیتوں کو منسوخ شمار کیا ہے لیکن متاخرین نے ضبط احتیاط سے کام لیکر صرف اول معنی کو تسلیم کیا - محققین کے نزدیک حسب ذیل پانچ آیتیں منسوخ ہیں -

(۱) کتب علیکم اذا حضر احدکم (سورہ بقر) اس آیت کے

اعتبار سے وصیت فرض تھی لیکن جب یہ آیت نازل ہوئی۔ یوصیکم
اللہ فی اولادکم، تو پہلا حکم منسوخ ہوگیا۔
(۲) وَالَّذِیْنَ یَتَوَفَّوْنَ — الی الحول میں سال بھر کی عدت
فرض تھی جب آیت اربعۃ اشھر وعشرا نازل ہوئی تو اس کے رو سے
چار مہینے دس روز عدت رہ گئے۔
(۳) وَاِنْ یَّکُنْ مِّنْکُمْ عشرون صابرون کی رو سے دس گنے
زیادہ کفار سے مقابلہ فرض تھا۔ اس کے بعد کی آیت سے صرف دوچند تعداد
سے مقابلہ کرنے کا حکم رہ گیا۔
(۴) لا یحل لک النساء من بعد آیت انا احللنا لک ازواجک
سے منسوخ ہوگئی۔
(۵) اذا ناجیتم الرسول بعد کی آیت سے منسوخ ہوگئی۔
ابو مسلم کی رائے میں تو ان کے اندر نسخ کا وجود نہیں (نسخ کے معنے یہ
ہیں کہ ایک حکم جو موقت تھا حسب ضرورت و مصلحت بدل دیا گیا۔ اس کے تسلیم
سے قرآن میں نقص وارد نہیں ہوتا جیسا کہ بعض خیال ہے اس کی تفصیلی بحث
کتب تفسیر و عقائد میں موجود ہے۔

توجیہہ مشکل

مثال کے لئے توجیہہ مشکل کی صورت بھی بیان کردی جاتی ہے۔ قرآن حکیم میں حسب
ذیل مقامات قابل غور ہیں۔

۱۔ یا اخت ھارون۔ حضرت مریم کو "اخت ھارون" کہا حالانکہ حضرت موسیٰ و ہارون سے حضرت مریم کے زمانے کو بہت بعد ہے۔ جب اس کے متعلق حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ یہ "ہارون" حضرت موسیٰ کے بھائی نہ تھے۔ بلکہ حضرت مریم کے بھائی تھے

۲۔ ابن عباسؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ قرآن مجید میں ایک جگہ ہے کہ لا یتساءلون۔ یعنی اہلِ محشر باہم سوال وجواب نہ کریں گے۔ دوسری جگہ ارشاد ہوا ہے۔ وا قبل بعضھم علی بعض یتساءلون۔ اس میں سوال کرنا ثابت ہوتا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ پہلی آیت کے معنی یہ ہیں کہ میدان حشر میں اہلِ محشر سوال نہ کریں گے۔ دوسری آیت کا منشاء ہے کہ میدان حشر کی منزل طے ہونے کے بعد جب بہشت میں داخل ہوں گے تو ایک دوسرے سے سوال کریں گے۔

مثال کے طور پر ایک آیت اور ذکر کیجاتی ہے۔ پارہ عم سورہ والضحیٰ میں ہے وَ وَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدٰى۔ عام طور پر اس آیت کا ترجمہ یہ کیا جاتا ہے کہ "اے محمدؐ اس نے تم کو بھٹکتا ہوا پایا تو راہ ہدایت بتادی۔

اس پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ کوئی زمانہ ایسا بھی تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گم کردہ راہ تھے؟ اس معنی کو صحیح مان کر اس کی اس قدر تاویلیں کی گئیں کہ اس کا مفہوم خواب پریشاں ہوگیا، حالانکہ "ضال" اس درخت کو کہتے ہیں جو برسر راہ ہو اور اس کی وجہ سے بھولے بھٹکے مسافر راستہ پا جائیں۔ اب معنی بالکل درست ہوگئے کہ "خدا نے تم کو اے محمد (وحی) درخت ضال پایا اس لئے (گمراہوں کی) اس کے ذریعہ ہدایت کردی حقیقت یہ ہے کہ لفظ "ضال" اس جگہ اسی قدر بلیغ ہے کہ اس کی بلاغت معجزہ ہوگئی۔

نعت خواجۂ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم

از مسعود علی محوی بی۔ اے (علیگ) سابق سشن جج سرکار نظام

تیرگیِ شامِ ہجر شکر بپایاں رسید   یار بوقتِ سحر با رخِ تابان رسید

کیدِ عدو بستہ بود بر رخِ دل باب شوخ   کاکلِ پیچانِ دوست سلسلہ جنبان رسید

در چمنستانِ دہر بادِ بہاری وزید   در طربِ جوئبار سروِ خرامان رسید

محملِ اصنام را زد بہ زمینِ طرب   ناقۂ توحید را طرفہ حدی خواں رسید

گرد فرا ایزدی ہیبتِ آدم گرفت   رحمتِ پروردگار صورتِ انسان رسید

ملتِ دیرینہ را مژدۂ پیشینہ را   از قرشی زادہ حجت و برہان رسید

آنکه همه عالم است یا بهر سامان از او — خود صفت بیکسا بی سر و سامان رسید

از نفس آتشین سوخت تر و خشک را — شعله که سر زد به طور تا که فاران رسید

کشور بی ضبط را ضابطه آمد پدید — وادی بی زرع را خار و دهقان رسید

باده که بد معتکف در خم پیر مغان — بعد چهل سال از جوش و بستان رسید

رعد با بانگ بلند گفت که ای میکشان — باده فراوان خورید ابر فراوان رسید

تا ید خلق را شربت آب حیات — ساقی موئینه پوش بر زده دامان رسید

جام در آمد بدور شعر طلب کرد به بزم
محوی دلداده را منصب حسان رسید

اسرار

اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ

ایک مومن اور مسلم کامل جب خدا کے سامنے جھکنے کے لئے نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو منجملہ اور الفاظ عبودیت کے "اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنَ" بھی کہتا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوا ہے کہ "ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں" یا تجھی کو پوجتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں"۔

یہ کلمات تاکید توحید اور تردید شرک کے لئے کہے جاتے ہیں، اس حصر اور تحدید کا منشا یہ ہے کہ خدا کے سوا کوئی دوسرا نہ تو پرستش کے قابل ہے اور نہ استعانت کے۔ مفسرین کا اجماع ہے کہ اس ٹکڑے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ "غیر اللہ کی پرستش اور طلبِ مدد و اعانت شرکِ صریح ہے۔

اس کے علاوہ اس ٹکڑے میں جو رموز و نکات ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

یہ آیت مبارکہ' توکل کی تعلیم دیتی ہے' توکل اور اقرار توحید دونوں ایک چیز ہے صرف بیان کا فرق ہے' میں اس کی تشریح کرنا چاہتا ہوں' قرآن حکیم میں جابجا توکل پر زور دیا گیا ہے۔ متوکلین کی تعریف کی گئی ہے۔ ان سے اظہار محبت کیا گیا ہے، ایمان اور توکل کو ایک بتایا گیا ہے۔ مثلاً

(۱) علی اللہ فتوکلوا ان کنتم مومنین۔

(۲)۔ وعلی اللہ فلیتوکل المؤمنون۔

(۳) ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ۔

(۴) اپنے دوستوں کے زبان سے فرمایا ہے ربنا علیک توکلنا۔

(۵) اپنے رسول کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے۔ وعلیہ توکلنا۔

(۶) اپنے رسول سے ارشاد ہوتا ہے۔ فتوکل علی اللہ انک علی الحق المبین۔

(۷) " " " وتوکل علی اللہ وکفیٰ باللہ وکیلا۔

(۸) " " " وتوکل علی الحی الذی لا یموت۔

(۹) " " " فاذا عزمت فتوکل علی اللہ ان اللہ یحب المتوکلین

(۱۰) انبیاء کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے۔ وما لنا ان لا نتوکل علی اللہ

(۱۱) اصحاب رسول کی زبان سے ارشاد ہوتا ہے۔ وقالوا حسبنا اللہ ونعم الوکیل

(۱۲) ان کی خصوصیت بیان ہوتی ہے۔ وعلی ربھم یتوکلون

حدیث

صحیحین کی روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ :۔

(۱) لوگ جنت میں بغیر حساب داخل ہوں گے ان میں متوکلین بھی ہیں۔

(۲) صحیح بخاری کی حدیث ہے کہ "جب حضرت ابراہیم علیہ السلام آگ میں ڈالے گئے تھے تو آپ نے فرمایا تھا۔ حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔

(۳) حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطرے کے موقع پر بھی

ارشاد فرمایا تھا۔

(۴) صحیحین کی روایت ہے کہ "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر فرمایا کرتے تھے" اللھم علیك توکلت"

(۵) ترمذی میں بروایت حضرت عمر مروی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلعم ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ "اگر تم لوگ خدا پر پورا توکل رکھو تو وہ تم کو اس طرح روزی عطا فرمائے جیسا چڑیوں کو عطا فرماتا ہے۔

(۶) سنن میں حضرت انس سے مروی ہے کہ" حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص گھر سے نکلتے وقت "بسم اللہ توکلت علی اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ کا ورد کرتا ہے۔ اس کے متعلق شیطان کہتا ہے کہ اب اس پر قابو کیونکر پا سکتا ہوں۔

حقیقت توکل

"توکل" نصف دین ہے، اس کا دوسرا نصف عبادت ہے۔

توکل کی مختلف صورتیں ہیں۔

(۱) یہ ہے کہ لوگوں سے بے پروا ہو کر اپنے کو خدا کے سپرد کر دے۔

(۲) یہ ہے کہ انسان کو جو چیز ملنے والی ہو، یا ملتی ہو اس کو خدا کی دین سمجھے۔

(۳) یہ ہے کہ انسان اپنی ذات کو خدا کے بھروسہ پر خطرات میں ڈالنے سے پروا نہ کرے۔

(۴) سب سے بہتر توکل یہ ہے کہ واجب[۱] حق۔ واجب[۲] خلق۔ واجب[۳] نفس کا خیال رکھا جائے۔

(۵) انبیاء کا توکل یہ ہے کہ وہ مصلحتِ دین کو سامنے رکھکر خدا پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اس طرح مفاسد دینی کے دفع کرنے میں بھی اسی خدا کو پیش نظر رکھتے ہیں اس کے بعد بھی توکل کے تمام درجے ہیں۔

درجات توکل

امام احمد حنبل کی رائے ہے کہ "توکل عملِ قلب کا نام ہے" یعنی اس کا تعلق زبان اور جوارح سے نہیں، اس کی تفصیل یہ ہے کہ :-

اگر کوئی شخص زبان سے "توکل" کا اقرار کرے لیکن دل اس کے اثر سے خالی ہو تو توکل نہیں، یا ہاتھ پاؤں کو توڑ کر گوشے میں بیٹھ رہے، اور ترک تدابیر کرے تو یہ بھی توکل نہیں۔

توکل کے معنے یہ ہیں کہ انسان حصول مقصد کے لئے تدابیر اور اسباب کو بھی پیش نظر رکھے ورنہ اس کا نام "توکل فاسد" یا "توکل باطل ہوگا۔

حضرت سہل بن عبداللہ کا قول ہے کہ "جس نے ترک اسباب کا نام توکل رکھا اس نے سنت کی توہین کی، جو شخص توکل کی توہین کرتا ہے وہ ایمان کی توہین کرتا ہے۔

"توکل" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت کا نام تھا اور تدبیر آپ کی سنت تھی، جو شخص آپ کی حالت کی پیروی کرنا چاہتا ہے اس کو آپ کی سنت بھی ترک نہ کرنا چاہیئے۔

(۱) جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ "توکل" ابواب علوم و معارف کا ایک باب ہے۔ ان کے نزدیک "توکل" یہ ہے کہ "انسان اپنے دل کو یہ سمجھا دے کہ "خدا کے

سوا بندے کا کوئی دوسرا پروردگار نہیں۔"

(۲) جو لوگ سکون قلب کا نام توکل رکھتے ہیں، ان کے نزدیک انسان کو چاہیے کہ اپنا دل خدا کے اختیار میں دیدے، وہ جس طرح چاہے اس کو حرکت دے اس کے دوسرے معنے ترک اختیار اور رضائے تقدیر کے ہیں۔

(۳) جو اس کو رضا سے تعبیر کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ "توکل" کے معنے یہ ہیں کہ انسان اپنی تقدیر پر شاکر رہے۔

بشر حافی کا قول ہے کہ "جو شخص صرف زبان سے "توکلت علی اللہ" کہتا ہے وہ خدا سے جھوٹ بولتا ہے، کیونکہ اگر وہ سچا ہوتا تو جو کچھ خدا کرتا اس پر راضی رہتا"۔

یحییٰ بن معاذ سے پوچھا کہ "انسان متوکل کب ہوتا ہے؟ جواب دیا کہ۔ "جب خدا کو سچے دل سے اپنا وکیل اور ذمہ دار سمجھ لے۔

حضرت ذوالنون مصری کی رائے ہے کہ "ترک تدبیر نفس کا نام توکل ہے"۔ جو لوگ متوکل ہوتے ہیں ان کا توکل اس خیال سے قوی تر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے حال کا دانا اور بینا ہے۔

ایک قول ہے کہ "توکل اس کا نام ہے کہ اللہ کو ہر حال میں اپنا کفیل سمجھے۔ دوسرا قول ہے کہ "نفیِ شکوک کا نام توکل ہے"۔

ابو سعید خراز کہتے ہیں کہ "توکل اضطراب بے سکون اور سکون بے اضطراب کا نام ہے"۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ بندہ اسباب ظاہری و باطنی تلاش کرے لیکن اس سے سکون مسبب الاسباب کا اختیار سمجھے۔

ان کے علاوہ توکل کے حسب ذیل سات مدارج ہیں:-

(۱) اپنے پروردگار کی معرفت اس کی صفات کے ساتھ اور تمام امور کی انتہا اس مشیت اور قدرت کی تحت میں سمجھنا۔

(۲) اسباب اور مسببات کو پیش نظر رکھنا، جو شخص اس سے غافل اور بے پروا ہے۔ اس کا توکل درست نہیں۔

"اسباب" کی نفی سے توکل کا نہ درست ہونا اس طرح ثابت ہے کہ "فرض کیجئے کہ ایک شخص حصول مقصد کے لئے خدا سے دعا کرتا ہے اگر اسکی نفی کریگا تو نہ صرف "توکل" نادرست ہوگا بلکہ ایمان بھی متزلزل ہوگا، رفتہ رفتہ ترک اسباب سے روحانی اور جسمانی قوتیں بیکار ہو جائینگی۔

(۳) مقام "توحید" توکل میں "قلب" کا راسخ ہوتا ہے۔ توکل اس وقت تک کامل اور قوی نہیں ہوتا جب تک توحید مستحکم نہ ہو، بلکہ توحید قلب کا نام ہی توکل ہے، بندہ اگر خدا کے علاوہ کسی امر میں کسی بندے پر بھروسہ کرتا ہے تو بقدر اس کے اس کے توکل میں نقص آتا ہے۔

(۴) خدا پر اس طرح بھروسہ رکھنا کہ کسی کام کے بننے بگڑنے کی پروا نہ کی جائے اسباب کے لئے نہ تو تشویش کی جائے اور نہ حصول مقصد پر خوشی میں خدا سے بے پروائی ہو جائے۔

ایک "عارف" کا قول ہے کہ اس صورت میں متوکل اس بچے کی مثال ہوتا ہے، جو اپنے ماں کے دودھ کے سوا اور کچھ نہیں جانتا، اس طرح متوکل سوا خدا کے اور کسی کو کچھ نہیں جانتا۔

(۵) اپنے پروردگار کے متعلق اچھا خیال رکھنا۔

توکل کا یہ مقام بھی بہت "اہم" ہے، آج کل بڑے بڑے مدعیان توکل معمولی

نقصان پر خدا سے بدظن ہو جاتے ہیں، عوام کا تو کیا ذکر ہے؟ یہ بدنصیب ہر برائی کو خدا کی طرف منسوب کرنے میں ذرا شرماتے نہیں۔

(۶) اپنی تدابیر کو بھی خدا ہی کے ہاتھ میں سمجھنا، اس سے انسان اپنی تدبیر پر بھروسہ کرتے کرتے شرک کی طرف جانے سے باز رہتا ہے۔

دنیا اگرچہ عالم اسباب ہے لیکن اس کی تمام چیزیں معرضِ زوال و فنا میں ہیں۔ پھر تدبیر کیونکر باقی اور قائم رہ سکتی ہے؟ ایسی چیز پر بھروسہ کیسا؟

(۷) تمام امور خدا کے ہاتھ میں دیدینا، یہ چیز روح توکل ہے۔ اس مقام پر بھی بندہ مطمئن ہو جاتا ہے۔

اس آیت مبارکہ کے اسرار پر غور کرو کہ ان کو پیش نظر رکھنا اور لائحہ عمل بنانا دین اور دنیا میں کامیابی ہے، "قرآن" یہی چیز لیکر دنیا میں آیا ہے۔ فھل من مدکر؟

اس آیت کو ایک اور نظر سے دیکھو۔

بندہ جب خدا کے سامنے کھڑا ہو کر پہلے "الحمد" سے اس کی تعریف کرتا ہوا "مالک یوم الدین" تک آتا ہے تو یک بیک مقام حضوری میں پہنچ جاتا ہے۔ حدیث پاک میں وارد ہے کہ "اعبد اللہ کانک تراہ" خدا کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ بندہ جب غیب سے حضور میں پہنچ جاتا ہے تو اس کے یہ معنے ہوتے ہیں کہ اس کے اور "رب" کے درمیان کوئی حجاب نہیں رہ جاتا، یہ درجہ تقرب کا اعلیٰ ترین درجہ ہے۔ جب قریب ہو جاتا ہے تو اس سے التجا کرتا ہے کہ "اے ہمارے بادشاہ، اے ہمارے آقا، اے خدا برتر" ہمارا مالک تو ہماری امور دینوی و اخروی میں ہماری مدد کر۔ "ایاک نستعین" کا یہ درجہ ہے۔ اس طرح گویا بندے نے چند لفظوں میں سب کچھ مانگ لیا ہے۔ قاعدہ ہے کہ بادشاہوں کے سامنے

جامع اور کثیر المعانی فقرے استعمال کئے جاتے ہیں۔ ان دو لفظوں کو دیکھو اور جامعیت کا خیال کرو۔ کیا عقلِ انسانی یا دنیا کی کوئی ہستی اس کا مثل پیش کر سکتی ہے۔؟ ؎

تو اے بیمارِ دردِ دل مسیحا را چہ میجوئی
طبیبِ مہربان اینجا' دوا اینجا' شفا اینجا

ابھی اس میں "اسرار" اور "نکات" کے ہزاروں دریا ہیں لیکن ابھی پر اس فرصت میں کفایت کی گئی۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ

(کیفی چڑیاکوٹی)

قرآن مجید کا ترجمہ

از جناب مولانا ابوالقاسم صاحب بنارسی

باعتبار طریقِ تعلیم و نفسِ تعلیم

قرآن مجید صرف مذہبی ہی کتاب نہیں ہے بلکہ مذہبی کتاب کے ساتھ ساتھ ایک علمی کتاب بھی ہے بلکہ ساری مذہبی دنیا میں یہ تنہا علمی کتاب ہے' اس میں ہر علم کے اصول موجود ہیں' اس کی وضع و طریق بیان عقلی اصول مناظرہ پر ہے۔ اس کا طریق استدلال طبعی ترتیب اور فطری منطق پر ہے اس میں عقائد حقہ کی تائید اور ان کا ثبوت' اور عقائد باطلہ کا ابطال اور تردید یقینی عقلیات سے ہی اصرف سماع پر بنا نہیں رکھی بلکہ ...

کے ثبوت کی بنا براہان پر رکھی ہے، موقع مناسب پر خطابیات سے بھی کام لیا ہے مجادلہ حسنہ سے خصم کو الزام بھی دیا ہے۔ لیکن شعر و سفسطہ سے ایک سخت گریز کیا ہے چنانچہ فرمایا۔ وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ (یٰسین پ ۲۳) اس میں شعر کی نفی ہے۔ نیز فرمایا اُدْعُ اِلٰى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَنُ (نحل پ ۱۴) یعنی اپنے رب کی راہ کی طرف بلا محکم دلائل (برهان) سے اور موعظہ حسنہ (خطابیات) سے اور مجادلہ کرا چھے طریق سے یعنی جس میں مغالطہ اور سفسطہ نہ ہو اور وہم کی پیروی نہ ہو جس کو شعر کہتے ہیں منطقیوں کے نزدیک حجت کی بھی پانچ قسمیں ہیں جن کو وہ صناعات خمسہ کہتے ہیں یعنے براہان۔ خطاب۔ جدل۔ شعر اور سفسطہ۔ پہلی تین بتفاوت مدارج معتبر ہیں اور پچھلی دو کا اعتبار نہیں خصوصاً مذہبی امور میں۔

قرآن مجید نے عقائد کی بنیاد براہان پر رکھی ہے۔ چنانچہ توحید و نبوت محمدی کے ذکر میں فرمایا قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ۔ (نساء پ ۶) یقیناً تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے۔" اسلام میں ارکان عقائد تین امر ہیں۔ توحید۔ نبوت۔ اور معاد۔ ان تینوں کو ہر جگہ یقینی دلائل سے ثابت کیا ہے کبھی اولیات اور کبھی مشاہدات سے۔ کہیں تجربیات سے اور کہیں حدسیات سے۔ کسی جگہ متواترات سے اور کسی جگہ فطریات سے۔ منطقی اصول یقینیات کے یہی ہیں اور بس۔

جو لوگ نقطہ رس اور دقیقہ شناس نہیں ہیں ان کے لئے براہان کے بعد خطابیات در مسلمات بھی بیان ہوئے ہیں جو کہ ان کے لئے مناسب تھے۔ غرض ہر امر کو ایسے پیرایہ اور رنگ میں بیان کیا ہے کہ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق اس میں

حصہ لے سکتا ہے۔ اور الٰہی کتاب میں اسی طرح ہونا چاہیئے جس طرح کائنات عالم میں مصنوعات باری سیدھے سادے آدمی کے لئے موجب تسلی ہیں اور باریک بین کے لئے موجب حیرت کما قال الرازی ؎

نہایۃ اقدام العقول عقال وغایۃ سعی العالمین ضلال

قرآن مجید میں احکام صرف قانونی طور پر ہی نہیں بیان کئے گئے ہیں بلکہ ان احکام کی رسم پر بھی بحث کی گئی ہے اور ان کے اسرار و فوائد بھی بتائے گئے ہیں۔ اور یہ امر تعلیم قرآنی کی روح رواں ہے کیونکہ مقابلۃً یہی امور وجوہ ترجیح بن بیان ہو سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں قصص صرف تاریخی طور پر ہی نہیں بیان کئے گئے ہیں بلکہ سامعین کو ان کے احوال سے عبرت دلانے اور ہر امر میں عام طور سے خوف خدا کو پیش نظر رکھنے کے لئے بیان ہوئے ہیں اور مذہبی کوائف میں یہ امر ایمان کے لئے بمنزلہ جان کے ہے۔ ورنہ اس کے بغیر مذہب قیل و قال کا میدان بن جاتا اور باری تعالیٰ سے کوئی تعلق و واسطہ قائم نہ ہوتا جیسا کہ دیگر مذاہب میں صاف نظر آ رہا ہے۔ غرض قرآن پاک نے ہر امر کا نقشہ عالمانہ رنگ میں کھینچا ہے اور اپنے معتقدین کو علمی چاشنی سے خوش کام کیا ہے انھیں کمالات کے سبب سے ہم قرآن کے عاشق ہیں۔ ؎

مخدرات سراپردہ ہائے قرآنی چہ دلبرند کہ دل می برند پنہانی

قرآن شریف کا بیان بطور لکچر کے ہے کہ اس سے رقت قلبی اور علمی کیفیت پیدا ہوتی ہے اس لئے اس کا نام الذکر بھی ہے اس کے سوا باقی کتابوں کا بیان جنتر منتر ہے اور بس۔ جو کچھ اوپر مذکور ہوا یہ کمالات قرآن پاک کا نوری لباس ہیں اصل شئے

جواس نوری لباس میں پوشیدہ ہے وہ اس کی بے نظیر ہدایت اور بے مثل تعلیم ہے جس سے انسان خدا کی بندگی کے سایہ میں ہو کر تہذیب اخلاق حسن معاشرت تدبیر منزل اور سیاست کے اہم مقاصد و فوائد کو حاصل کر کے خلیفۃ اللہ کا معزز لقب پا سکتا ہے اس کی تفصیل آگے آئے گی انشاء اللہ۔

طرق بیان

پہلے میں قرآن مجید کے طرق بیان سے متعلق کچھ عرض کرتا ہوں۔ علم منطق میں ایک اصطلاح رؤس ثمانیہ ہے یعنی سر کی آٹھ باتیں ہر مصنف ان آٹھ باتوں کو اپنی تصنیف کے شروع میں بیان کرتا ہے تاکہ پڑھنے والوں کو اس کی تصنیف کی نسبت اعتقادا و اجمالی علم ہو جائے۔ ان میں سے جن کو میرے مضمون سے تعلق ہے میں بھی پہلے بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں۔ اول غرض و غایت اس علم کی تاکہ طالب علم کی محنت عبث نہ ہو۔ دوم منفعت اس علم کی تاکہ طالب کی طبیعت میں شوق پیدا ہو۔ سوم مصنف کا نام اور ذکر تاکہ طالب علم کو اطمینان ہو کہ یہ کتاب علم و فضل کی ہے اس لئے اس کی تحقیقات معتبر ہے اور خدشہ پیدا ہو تو انکار میں جلدی نہ کرے۔ پس قرآن مجید نے اپنی غرض و غایت خود بیان کی ہیں لوگوں کو ظلمت ضلالت سے نکال کر نور ہدایت کی طرف لانے کے لئے آیا ہوں۔ الر کتاب انزلناہ الیک لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربھم الی صراط العزیز الحمید (ابراھیم پ۱۳)۔ یہ کتاب ہے جس کو ہم نے آپ پر نازل کیا۔ تاکہ آپ تمام لوگوں کو ان کے پروردگار کے حکم سے تاریکیوں سے روشنی کی طرف یعنی خدائے غالب ستودہ صفات کی راہ کی طرف لائیں۔ دوسری غرض نصیحت اور خدا کا ڈر سنانا لتنذر بہ و ذکری للمومنین (اعراف

پ) امر دوم یعنی شفاعت کی بابت فرمایا کہ لوگ اس قرآن پر عمل کر کے
رحمت میں آجائیں گے۔ هذا كتاب انزلنه مبارك فاتبعوه
واتقوا لعلكم ترحمون۔ یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے بھیجا بڑی خیر و
برکت والی اتباع کرو اور ڈرو تاکہ تم پر رحمت ہو۔ امر سوم یعنی
کا تام و ذکر توصد پاآیات میں موجود ہے دو ایک ملاحظہ ہو۔ الم تنزيل
الكتاب لا ريب فيه من رب العالمين (پ ۲۱) اس کتاب
کا نزول جس میں کوئی شبہ نہیں ہے تمام عالم کے پروردگار کی طرف سے ہے
حم تنزيل الكتاب من الله العزيز (جاثیہ، احقاف، غافر)
یہ تمام امور جو قرآن مجید کے مختلف مقامات سے نقل کئے گئے ہیں۔ قرآن پاک
کے ایک ہی مقام میں مع دیگر ضروری امور کے یکجا بیان کر دیئے گئے ہیں
چنانچہ سورۂ ہود کے شروع میں ارشاد ہے :-
الر كتاب احكمت اياته ثم فصلت من لدن حكيم
خبير الا تعبدوا الا الله انني لكم منه نذير و
بشير و ان استغفروا ربكم ثم توبوا اليه يمتعكم
متاعا حسنا الى اجل مسمى ويؤت كل ذي فضل فضله
وان تولوا فاني اخاف عليكم عذاب يوم كبير الى الله
مرجعكم وهو على كل شيء قدير (پ ۱۱) ترجمہ یہ ایک
ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں محکم کی گئی ہیں۔ پھر صاف صاف بیان کی گئی
ہیں۔ ایک حکیم باخبر کی طرف سے اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔ میں
تم کو اللہ کی طرف سے ڈرانیوالا اور بشارت دینے والا ہوں اور یہ کہ تم لوگ

اپنے گناہ اپنے رب سے معاف کراؤ پھر اسی طرف متوجہ رہو۔ وہ تم کو وقت مقررہ تک خوش عیشی دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ ثواب دے گا اور اگر تم لوگ اعتراض کرتے رہو تو مجھکو تمہارے ایک بڑے دن کا اندیشہ ہے۔ تم کو اللہ ہی پاس جانا ہے اور وہ ہر شئی پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

من لدن حکیم خبیر میں عند اللہ ہونے کا بیان ہے۔

لا تعبدوا الا اللہ میں مضمون کا اظہار ہے۔

اننی لکم منہ نذیر و بشیر میں رسالت کے ذکر کے ضمن میں بشارت و نذارت کا بھی بیان ہے۔

استغفروا ربکم ثم توبوا الیہ میں طریقہ تحصیل مذکور ہے۔

یمتعکم متاعاً حسنا میں منفعت کو ظاہر کیا ہے۔

ویوت کل ذی فضل فضلہ میں ترقی طلب لوگوں کی ہمت کو ابھارا ہے کہ وہ بقدر ہمت حصہ لیں۔

وان تولوا عذاب یوم کبیر میں مضرت خلاف ورزی کا بیان ہوا ہے۔

نیز آیات بالا میں توحید و نبوت و معاد کو بھی (جن کا ذکر میں نے اوپر کیا ہے) کس خوبی سے جمع کر دیا ہے۔

لا تعبدوا الا اللہ میں توحید عبادت کا ذکر ہے۔

اننی لکم منہ نذیر و بشیر میں نبوت محمدیہ (علی صاحبہا التحیہ) مذکور ہے

الی اللہ مرجعکم میں معاد کا بیان ہے۔

سبحان اللہ سب کچھ ایک ہی مقام میں بتا دیا گیا ہے۔

اب اصول مناظرہ سے تعلیم وبیان قرآن حکیم کی خوبی ملاحظہ ہو۔ صداقت مذہب کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بناء دلائل عقلیہ پر ہو اور منع و نقض و معارضہ سے پاک ہو۔

یقینی دلائل پر بنا ہونے کی وجہ ظاہر ہے کہ جب تک کوئی امر یقینی دلائل سے ثابت نہ ہو اُسے حق اور اس کی ضد کو باطل قرار نہیں دے سکتے۔

منع سے پاک ہونا اس لئے ضروری ہے کہ بے حوالہ یا غلط حوالہ یا غیر ثابت امر کو ثابت شدہ فرض کر لینا خود دلیل بیان کرنے والے کے دعویٰ کو بے دلیل ثابت کرتا ہے۔

نقض سے پاک ہونا اس لئے ضروری ہے کہ دلیل وہ مسلّم ہوتی ہے جو جرح سے بری ہو ورنہ ہر باطل پرست اپنی تائید میں کچھ نہ کچھ بنا ہی لیتا ہے۔

معارضہ سے پاک ہونا اس لئے ضروری ہے کہ ترجیح بلا مرجح درست نہیں جب میرے مخالف کے پاس بھی اپنے مدعا کے لئے ویسی ہی دلیل موجود ہے جیسی میرے پاس ہے تو مجھے کیا حق ہے کہ اپنی دلیل کو حق کہوں اور اس کی دلیل کو نہ مانوں؟ بس علم مناظرہ کی جان یہی امور ہیں۔

اب سُنیئے کہ قرآن پاک ان تمامی امور کا صریح الفاظ میں دعویٰ کرتا اور ان کو نبھاتا ہے۔ چنانچہ دلایل قرآنیہ کے یقینی ہونے کی بابت فرمایا۔ قد جاکم برھان من ربکم وانزلنا الیکم نوراً مبیناً۔ ترجمہ اے لوگو یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک دلیل آچکی ہے اور ہنوز تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے۔

الیا غوجی میں ہے والعمدۃ ھی البرھان۔ قرآن پاک برہان دیتا ہے اور دوسروں سے برہان ہی مطالبہ کرتا ہے ھاتوا برھانکم ان کنتم

صاد قلیں: اگر تم اپنی دلیل الزام سچے ہو۔" قرآن پاک برہان میں بدیہیات اور عقلیات دونوں سے کام لیتا ہے۔ بدیہیات مصنوعات قدرت ہیں جن کو دلائل توحید میں پیش کیا ہے۔ ان فی خلق السموات (بقرہ پ ۲ آل عمران پ۴) ۔عقلیات (برہان مانع) ملاحظہ ہو۔ لو کان فیھما الھۃ الا اللہ لفسدتا۔ (انبیاء پ۱۷) زمین و آسمان میں اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہوتا تو دونوں درہم برہم ہو جاتے۔" اور جب کہ یہ منع ہے تو کوئی شخص مطالبہ نہیں کر سکتا۔ نقض بھی وارد نہیں کر سکتا کیونکہ یہ بدیہی یا نظری منتہا الی البدیہی ہے۔ معارضہ ہو ہی نہیں سکتا کہ باری تعالیٰ کا کوئی شریک ثابت ہو۔ چنانچہ فرمایا ھذا خلق اللہ فارونی ماذا خلق الذین من دونہ (لقمان پ۲۱) ترجمہ۔ یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں اب تم لوگ مجھکو دکھاؤ کہ اس کے سوا جو ہیں انہوں نے کیا کیا چیزیں بنائی ہیں۔" امر دوم یعنی نقض و اعتراض سے مبرا ہونے کا دعویٰ سنیئے ذلک الکتاب لاریب فیہ (بقرہ) یہ کتاب ایسی ہے جس میں کوئی شبہ نہیں۔ لم یجعل لہ عوجا (کہف) اس میں ذرا بھی کجی نہیں رکھی۔ غیر ذی عوج (زمر) ہاں اگر کوئی شخص ناواقفی سے اعتراض کرے تو اس کے جواب کا ذمہ بھی اپنے سر لیا۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ ولا یاتونک بمثل الا جئناک بالحق واحسن تفسیرا (فرقان پ۱۹) ترجمہ اور یہ لوگ کیسا ہی عجیب سوال آپکے سامنے پیش کریں مگر ہم ٹھیک جواب اور وضاحت میں بڑھا ہوا آپ کو عنایت کر دیتے ہیں۔

امر سوم یعنی معارضہ و مثل کے پاک ہونے کی نسبت فرمایا لا یاتون بمثلہ ولو کان بعضھم لبعض ظھیرا (پ۱۵) اس کے مثل نہ لاسکینگے

اگر ایک دوسرے کے مددگار بھی بن جائیں"۔ جس طرح پورا قرآن معارضہ سے پاک ہے اسی طرح اس کی ایک سورۃ "فاتوا بسورۃ من مثلہ۔ اس کے مثل ایک سورہ ہی لاؤ"۔ بلکہ ایک آیت بھی معارضہ سے پاک ہے فلیاتوا بحدیث مثلہ (طور) ایک بات بھی اس کے مثل لائیں"۔

اصول مناظرہ کے یہ تمام امور جو متفرق آیات سے پیش کئے گئے ہیں وہ سب ایک ہی آیت میں ایک جگہ جمع ہیں، شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن ھدی للناس وبینات من الھدی والفرقان (بقرہ)
ترجمہ۔ ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور واضح الدلالۃ ہے۔ منجملہ ان کتب کے جو ہدایت ہیں"۔
ھدی للناس میں تمام لوگوں کے لئے ہدایت ہونے کا دعوے ہے۔
بینات من الھدیٰ میں ہدایت کے دلائل مبینہ کا بیان ہے۔
الفرقان میں منکرین کے شک وشبہ کے دور کرنے کا ذکر ہے جس سے حق و باطل میں فرق ہو جائے۔ اور منع ونقض و معارضہ سے پاک ثابت ہو۔ اسی معارضہ سے پاک ہونے کی وجہ سے اس نے تحدی کی ہے کیونکہ صنعت سے قدرت کا مقابلہ نہیں ہوسکتا۔ ورنہ کاغذی گلاب کا پھول بھی مفرح اور کئی امراض کی شفاء کے لئے دوا بن جائے۔ کلام الٰہی میں جو جامعیت و بلاغت، لطافت وحلاوت، جذب و کشش اور امراض کی شفا ہے وہ کلام بشری میں نہیں ہوسکتی۔

قرآن حکیم کے طریق بیان معلوم ہو جانے کے بعد اس کے بیان تعلیم کی بابت مختصراً عرض ہے۔

حکیمانہ تعلیم۔ کہ اس کی تعلیم باحکمت اور ٹھکانے کی ہے اور جو بات حکمت والی

ہوئی اس کا متکلم ضرور حکیم ہوگا۔ اسی سے قرآن پاک میں فرمایا گیا یٰس
والقرآن الحکیم (پ ۲۲) قسم قرآن حکیم کی۔ من لدن حکیم خبیر
(ہود پ ۱۱) یہ قرآن خدائے حکیم و خبیر کے پاس سے آیا ہے۔ کلام بھی حکیم اور
اُس کا متکلم بھی حکیم۔ لغت میں لفظ حکیم کے معنے ہیں استوار و پختہ۔ اگر کسی شخص کی
صفت ہو تو وہ شخص قول و فعل میں استوار کار اور مصلحت بیں ہوتا ہے اور اگر
کلام کی صفت ہو تو وہ کلام مضبوط پختہ اور ٹھکانے کا ہے۔ چنانچہ قرآن کی جس
تعلیم کو دیکھو گے اس میں حکمت و اسرار پاؤ گے خواہ وہ تعلیم معاملات انسانیہ کی
بابت ہو یا عبادات الٰہیہ کے متعلق۔

تعلیم کا مکمل ہونا اور فطرت کے مطابق

قرآنی تعلیم حکیمانہ ہونے کے ساتھ مکمل بھی ہے یعنی فطرت انسان کے تمام
قوتوں (بہیمی، سبعی، ملکی) اور زندگی کی ہر حالت (صحت و مرض، غنا و فقر، حکومت
محکومی) اور ہر معاملہ و ضرورت (بیع و نکاح، سیاست و قضا) سب کے متعلق پوری
پوری تعلیم ہے تاکہ ماننے والوں کو معاملات دنیویہ و دینیہ کی انجام دہی میں کسی
اور کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ الیوم
اکملت لکم دینکم (مائدہ پ ۶) آج ہم نے تمہارے لئے تمہارے دین
کو کامل کر دیا۔ فطرۃ اللہ التی فطر الناس علیھا لا تبدیل لخلق
اللہ ذٰلک الدین القیم (روم پ ۲۱) یعنی دین کامل اور فطرت کے مطابق
ہے۔ جس طرح اس کتاب میں خالق و مخلوق کے تعلقات مفصل بیان ہوئے
ہیں اسی طرح باہمی تعلقات اور حسن معاشرت کی تعلیم بھی موجود ہے وہ تعلق
قریب ہو یا بعید، نوعی ہو یا جنسی، افرادی ہو یا قومی، مذہبی ہو یا تمدنی و سیاسی۔

خالق ومخلوق کے تعلقات میں ایک آیت ملاحظہ ہو۔ قل اللہ خالق کل شیئٍ وھو الواحد القھار (رعد پ ۱۳) "اے رسول آپ کہہ دیجیے کہ اللہ ہر شئے کا خالق ہے اور وہ واحد و قہار ہے"۔ باہمی تعلقات کی آیت سنیئے وآتِ ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل (پ ۱۵) "اہل قرابت اور مسکین اور مسافر کو اس کے حق دو"۔ دونوں قسم کے تعلقات مذکورہ ایک ہی آیت میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ واعبدوا اللہ ولا تشرکوا بہ شیئاً وبالوالدین احسانا وبذی القربیٰ والیتمٰی والمسٰکین والجار ذی القربیٰ والجار الجنب والصاحب بالجنب وابن السبیل وما ملکت ایمانکم (نساء پ ۵) "اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک کرو۔ اور اہل قرابت، اور یتامیٰ اور مساکین اور قریبی ہمسایہ اور دوری ہمسایہ اور ہم نشین اور مسافر اور ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کرو۔ جو تمہارے مالکانہ قبضے میں ہیں"۔ اس میں بندہ کا تعلق خالق سے خالق کا بندوں سے تعلق قریبی بعیدی وغیرہ سب بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اسی طرح تہذیب اخلاق بھی موجود ہے۔ نیک عادات بتائے گئے ہیں بری عادتوں سے منع کیا گیا ہے۔ اچھے عادات کا برتاؤ اور اُن کے مواقع و محل استعمال کو بھی بتایا ہے۔ سورۂ فرقان کا آخری رکوع جو عباد الرحمٰن سے شروع ہوتا ہے اسی مضمون سے بھرا ہوا ہے۔ قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم (سورہ انعام) "آپ کہیئے آؤ میں تمہیں چیزیں پڑھ کر سناؤں جن کو تمہارے رب نے تم پر حرام فرمایا ہے"۔ دو آیات میں یہی مضامین ہیں۔ سورہ بنی اسرائیل کے تیسرے

اور چوتھے رکوع میں بھی یہی باتیں بیان ہوئی ہیں۔

اسی طرح تدبیر منزل و انتظام خانہ داری وغیرہ بھی سکھائے گئے ہیں۔ ماں باپ کے حقوق تو انھیں آیات بنی اسرائیل و انعام و نسا میں مذکور ہوئیں۔ بیوی بچوں کے حقوق الرجال قوامون علی النساء (سورۂ نسا) "مرد عورتوں پر حاکم ہیں" وغیرہ میں مذکور ہیں۔ نکاح اور ان کے مسائل بھی اسی کتاب میں ہیں۔ مرنے کے بعد تقسیم ترکہ بھی اسی سورۃ میں بیان کیا گیا ہے۔ باہمی نزاعوں کا فیصلہ بھی بتایا گیا ہے۔ جو سیاست مدنی کی شاخ ہے۔ اس باب میں تعلقات سلطنت و رعایا، حاکم و محکوم، انتظام ملکی و مالی، خصومات دیوانی و فوجداری، جنگ وجدل، صلح و آشتی، عفو درگزر فدیہ و اخراج، عطا و بخشش، قرآن پاک میں سب کچھ مذکور ہیں۔ آیات ان النفس بالنفس جان کا بدلہ جان ہے" (مائدہ) قاتلوا فی سبیل اللہ (بقرہ) خدا کی راہ میں لڑو" ان جنحوا للسلم فاجنح لھا (انفال) اگر وہ صلح کی طرف جھکیں تو آپ بھی اس طرف جھک جائیے" اور سورتیں (انفال و توبہ و محمد و ممتحنہ و احزاب) وغیرہ ملاحظہ ہوں۔

تعلیم کا سہل ہونا۔ قرآن مجید کی تعلیم حکیمانہ ہے پھر مکمل ہے اور سہل بھی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ تعلیم اپنی ذات میں مفید ہو۔ لیکن انسان اس کو برداشت نہ کر سکے۔ چنانچہ روزے کے بیان میں بیمار اور مسافر سے تخفیف کا حکم دیتے ہوئے فرمایا یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر (بقرہ) "اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے ساتھ آسانی کرے وہ یہ نہیں چاہتا کہ تمہارے ساتھ سختی کرے" مسئلہ وضو میں

بیماری یا پانی نہ ملنے کی حالتمیں تیمم کی اجازت دیتے ہوئے فرمایا ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج (مائدہ) خدا تم پر تنگی کا حکم نہیں دینا چاہتا اسی طرح شریعت کے تمام احکامی امور میں آسانی ملحوظ رکھنے کی بابت فرمایا ماجعل علیکم فی الدین من حرج (پ۱۷ حج) اسی طرح ہر نفس کی وسعت کو ملحوظ رکھکر حکم کرنے کی بابت فرمایا لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا (بقرہ) لفظ وُسع میں یہ نکتہ ہے کہ ہر مسئلہ اگرچہ بذات خود آسان ہے لیکن بوجہ کسی عارضہ کے اگر کسی پر یہ سہل بھی گراں ہو تو وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔ جیسے بیمار کے لئے وضو جو بذات خود سہل ہے۔ موجب تکلیف ہو تو وہ وضو نہ کرے بلکہ تیمم کرلے۔ سبحان اللہ سبحان اللہ۔

اختلاف کا نہ ہونا لطف یہ ہے کہ فرائض آپس میں متضاد ہیں لیکن ان کی تعلیم میں اختلاف نہیں ہے۔ لوکان من عند غیر اللہ لوجدوا فیہ اختلافاً کثیراً (نساء پ۵) اگر قرآن غیر خدا کے پاس سے آیا ہوتا تو بیشک وہ لوگ اس میں بہت اختلاف پاتے۔" اختلاف دو طرح پر ہو سکتا ہے اول نفس الامر میں کسی بات کا مخالف حق ہونا۔ اس کو باطل کہتے ہیں۔ قرآن اس کی نفی کرتا ہے لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ (پ۲۴) جس میں غیر واقعی بات اس کے آگے کی طرف سے آسکتی ہے۔ اور نہ اس کی پیچھے کی طرف سے۔ لاریب فیہ (بقرہ) دوسرے قسم کا اختلاف یہ ہے کہ ایک امر ایک جگہ بیان ہو دوسری جگہ اسی امر کو اسی حالت میں اُس کے خلاف بیان کیا جائے قرآن اس کی بھی نفی کرتا ہے اللہ نزل احسن الحدیث کتاباً متشابہاً

مثانی (پ ۲۳) اللہ تعالیٰ نے بہت عمدہ کلام نازل فرمایا ہے جو ایسی کتاب ہے کہ باہمی ملتی جلتی ہے " یعنی اس کے مضامین ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔ حالانکہ وہ بہت دہرائے گئے ہیں اس کے معلوم کرنے کا طریقہ تدبر فی القرآن ہے اسی نفیِ اختلاف کی آیت کے شروع میں افلا یتدبرون القرآن (پ ۵) وہ قرآن میں غور نہیں کرتے " فرمایا ہے لفظ تدبر نکلا ہے دُبر سے جس کے معنے پیچھے کے ہیں یعنی غور و فکر کے وقت کلام کے سلسلہ کو آگے اور پیچھے (سیاق و سباق) سے زیر نظر رکھیں تو معلوم ہو گا کہ اس میں اختلاف نہیں ہے۔

اصول تعلیم سابق کے مخالف نہ ہونا

قرآن پاک کی تعلیم اصولاً وہی ہے جو سابق پیغمبروں کی معرفت پہلی امت میں گزر چکی ہے اور جو ابتدائے دنیا سے ہر نبی کو ملتی چلی آئی ہے۔ لہٰذا یہ تعلیم کوئی نئی تعلیم نہیں ہے یہ مضمون متعدد آیات میں مذکور ہے سورۂ اعلیٰ میں فرمایا ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ (پ ۳۰) قرآنی تعلیم اگلی کتابوں میں بھی ہے اور ابراہیم و موسیٰ کی کتاب میں بھی۔ یعنی یہ تعلیم وہی ہے جو پہلی کتابوں میں تھی۔ اسی لئے قرآن کی صفت میں مصدقا لما بین یدیہ فرمایا گیا ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ قرآن تعلیمات سابقہ کا محافظ بھی ہے۔ ومھیمنا علیہ (مائدہ) تصدیق تو یہ ہے کہ جو کچھ خدا کتب سابقہ میں نازل کیا وہ سب منجانب اللہ ہے اختراع نہیں دروغ نہیں اور حفاظت یہ ہے کہ لوگوں نے جو مسائل از خود ملا دیئے ہیں ان کی تردید اور انکار کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مجید بہ لحاظ مضمون تعلیم ابتدائے دنیا سے ہے گویا عبارتوں کا نزول بعد کو ہوا۔ اور یہ قرآن مجید کی وہ نقلی دلیل ہے

ے آس نے بہت سے دلائل عقلیہ کے علاوہ اپنی صداقت میں پیش کی ہے۔ سچ
ے ۔ ۵

ل و حسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے — قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے
یر اس کی نہیں ملتی جہاں میں غور سے دیکھا — بھلا کیونکر نہ ہو یکتا کلامِ پاک رحماں ہے

[illegible] سیپر

قرآن مجید کی تعلیم کا نیا طریقہ

اگر مسلمان اپنی آئندہ کی بہتری کے خواہاں ہیں تو ان کا فرض ہے کہ اپنی آنے والی نسل کی حالت کو بہتر بنا دیں یعنی مسلمانان عالم سے کہونگا کہ خدارا وہ اپنی اپنی اولاد کو وہ چیز دیدیں جس کا نام قرآن ہے۔ وہ اس کو کائنات کی دولت سمجھیں، وہ اس کو خدائی طاقت خیال کریں اور وہ اس کو دین و دنیا کی بادشاہت تصور کریں۔

قرآن مجید اصل دین ہے قرآن مجید اتحاد عالم کا حامی ہے۔ قرآن مجید پستی سے اٹھا کر ترقی کے بام پر بٹھا دینے کا ضامن ہے۔

قرآن مجید زندگی ہے قرآن مجید ہدایت ہے قرآن مجید خدا کا آخری پیغام ہے اس لئے عموماً ہر انسان کی اور خصوصاً ہر مسلمان کی زندگی کا دستور العمل ہے۔

آفتاب قرآن نے طلوع ہو کر صحرائے عرب کے ذرہ ذرہ کو روشن کر دیا تھا اور تاریخ شاہد ہے کہ دنیا کی بدترین قوم کو اعلیٰ ترین بنا دیا تھا پس آج بھی جب تک قرآن کا چراغ دوبارہ روشن نہ ہوگا تاریکی دور نہ ہوگی۔ مسلمانوں نے قرآن کو چھوڑ دیا ہے اس لئے ان کو خدا نے چھوڑ دیا ہے۔ اور پھر یہ جب تک قرآن مجید کو اختیار نہیں کرتے آسمانی تائید حاصل نہیں ہوتی۔

میں کتاب کے ناشر جناب سردار الدین صاحب کی ہمدردی کا متمنی ہوں اور قوم کی ہر مخیر ہستی سے درخواست کرتا ہوں کہ اس قسم کی تفسیر کو یکمشت بطور ہدیہ کے لیکر ہر گھر ہر مدرسہ مسجد اور ملک کے ہر گوشے میں پہنچا دیں۔

یہ پارہ عم کی تفسیر ہے بچوں کیلئے لکھی گئی ہے۔ مگر نوجوان اور بوڑھوں کے فائدہ کی بھی ہے میں قرآن مجید کی تعلیم کا نیا طریقہ بتایا گیا ہے جس سے چار پانچ برس کے بچے اور بچیاں بھی قرآن مجید کو معنی و مطلب کے ساتھ یاد کر سکیں گے۔ اس میں روزے نماز، حج و زکواۃ اور قربانی وغیرہ کے مسائل بیان کر دیئے گئے ہیں جو اس قسم کی دوسری کتابوں سے بے نیاز کر دیتے ہیں۔

اس کے اندر ایک مبسوط مقدمہ بھی ہے جو پڑھنے والے کو قرآنی علم و عمل پر آمادہ کر دینے کیلئے تیار ہے بچوں کی تفسیر ایک سو اٹھائیس صفحات پر مشتمل ہے اور مجلد ہے اس کا ہدیہ ایک روپیہ ہے یہ اس لائق ہے کہ ہر مسلمان کے ہاتھ میں ہو۔

میری التجا ہے کہ خدائے بزرگ و برتر بچوں کی تفسیر کو قبول عام عطا فرمائے اور مسلمانوں کی آئندہ نسل علمبردار قرآن ہو کر روئے زمین پر حکومت الٰہی عبدیت الٰہی اور محبت الٰہی کا دور دورہ کرے۔ آمین۔ ابو محمد مصلح

دفتر قرآنی تحریک حیدرآباد دکن

مطبوعہ اعظم اسٹیم پریس